فقہِ ولی اللّٰہی

یعنی

امام ولی اللہ دہلوی کا فقہی مسلک و مذہب

اور

خدمات و اثرات و ثمرات

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی

معہ عربیہ ہتھورا، باندہ

مجلسِ نشریاتِ اسلام

۱۔ کے۔ ۳۰ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فقہ ولی اللّٰہی

یعنی

امام ولی اللہ دہلوی کا فقہی مسلک و مذہب

اور

خدمات و اثرات و ثمرات

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی
مدرس جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ

مجلس نشریاتِ اسلام
۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی

نام کتاب ———	فقہ ولی اللہی
تصنیف ———	مفتی عبید اللہ اسعدی
طباعت ———	مولائی پرنٹنگ پریس کراچی
اشاعت ———	سنہ ۲۰۰۳ء
ضخامت ———	۲۰۸ صفحات

ٹیلیفون

۶۶۰۱۸۱۷

اشاعت: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی
فون ۲۶۳۸۹۱۷

ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی

مضمون	صفحہ نمبر

① امام دہلوی کا فقہی مسلک اجتہاد یا تقلید

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر
● حضرت کے اس ذوق کی خاص بنیاد	۱۱۵
● شاہ عبدالرحیم صاحب کا طریق عمل	۱۱۶
● عوام وافتاء کے حق میں طریق کار، مستفتی کی رعایت	۱۱۷
● عبارت بالا کا حاصل	۱۱۷
● مستفتی کے مذہب کی رعایت الجھن سے بچانے کے لیے	۱۱۸
● خلفشار وانتشار کی رعایت	۱۱۸
● حضرات اہل حدیث سے	۱۱۸

(۲) حضرت امام دہلوی کا فقہی مذہب

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی
دارالعلوم ندوة العلماء لکھنؤ

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه محمد بن عبدالله الامین، وعلی آله وصحبه اجمعین.

برصغیر ہند و پاک کی تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مرکزِ ثقل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بھی برصغیر میں ہر علم وفن کی بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور انہوں نے اپنے روشن کارناموں سے برصغیر کی عظمت میں چار چاند لگائے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی بلند قامت شخصیتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ برصغیر ہی نہیں پوری دنیا میں مسلمانوں پر برصغیر کی سرزمین سے اٹھنے اور یہاں پروان چڑھنے والی شخصیات کے احسانات رہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ کی جامعیت وآفاقیت، ان کا اعتدال وتوازن، ان کے فکر کی گہرائی اور رسائی، ان کی افرادسازی کی نظیر برصغیر کی تاریخ میں بہت مشکل سے ملے گی۔

حضرت احمد بن عبد الرحیم معروف بہ حضرت شاہ ولی اللہ کی اہم ترین خصوصیت ان کا توازن واعتدال تھا۔ امت مسلمہ کے درمیان جن جن میدانوں میں مختلف افکار وخیالات اور نظریات پائے جاتے تھے اور جن کی وجہ سے بسا

اوقات کشاکش اور کشا کش کی صورت حال پیدا ہوتی رہتی تھی ان کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے راہِ اعتدال بتانے کی کوشش کی اور امت کے مختلف گروہوں کو علمی و فقہی طور پر ایک دوسرے سے قریب لانے اور ایک دوسرے کے بارے میں حسنِ ظن پیدا کرنے کے لیے اپنی علمی و فکری توانائیاں صرف کردیں۔ ہر طبقہ میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں کی نشاندہی اور ہر طبقہ کو اس کی ذمہ داریاں یاددلانا حضرت شاہ صاحب کا خاص مشن اور کام تھا۔ ان کی حیثیت، خاندان کے اس بزرگ ترین فرد کی تھی جو خاندان کے ہر فرد کے لیے بے پناہ شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہو اور ہر شخص کی خامیوں کو بہت حکمت اور دانائی سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے امت مسلمہ کو جن میدانوں میں راہِ اعتدال کی نشاندہی کی۔ ان میں سے ایک اجتہاد و تقلید کا مسئلہ بھی تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات محسوس کی کہ علماء امت کا ایک طبقہ تقلید کے بارے میں غلو کا شکار ہے۔ کسی خاص فقہی مسلک کی تقلید و پابندی میں کچھ علماء اس حد تک آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے ساری توانائیاں فقہ و اصول فقہ کی کتابوں اور ان کی جزئیات کے مطالعہ میں لگا رکھی ہیں۔ کتاب و سنت کے بارے میں ان کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک عالمِ دین کو قرآن و حدیث کے فہم و مطالعہ میں جس قدر توجہ کرنی چاہیے، اس میں روز بروز کمی آتی جارہی ہے، مسائلِ فقہیہ کا رشتہ کتاب و سنت سے کیا ہے اور یہ مسائل کس طرح کتاب و سنت سے مستنبط کئے گئے ہیں اس سے بڑے بڑے نامی گرامی علماء بھی ناواقف ہوتے جارہے ہیں۔ غرض یہ کہ دین کے اصل سرچشموں کتاب و سنت سے برصغیر کے مسلمانوں اور یہاں کے علماء کا رشتہ کمزور پڑتا جارہا ہے اس احساس کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو نصابِ تعلیم جاری کیا اس میں تفسیر و حدیث

کی کتابوں کو خصوصی اہمیت دی، صحاح ستہ کو نصاب میں شامل کر کے اور الفوز الکبیر لکھ کر اسے نصاب تعلیم میں شامل کر کے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کوشش کی کہ علماء امت صرف کتب فقہ و اصول فقہ پر انحصار نہ کریں بلکہ دین کے اصل سرچشموں پر ان کی گہری نظر ہو، اور اجتہادی مسائل کو کتاب و سنت پر پیش کرنے کا مزاج عام ہو۔ اس حد تک تقلیدِ جامد کہ ایک عالم، حدیثِ رسول کے مقابل میں کسی امام کے قول کو پیش کرے اور بلا تکلف حدیثِ رسول کو مسترد کردے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بڑی خطرناک اور گمراہ کن بات تھی، انہوں نے اس خطرناک رجحان کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی اور امت مسلمہ خصوصاً علماء امت کا رشتہ کتاب و سنت سے مضبوط و استوار کرنے کی انتھک جدوجہد کی انہوں نے متبحر علماء میں یہ مزاج پیدا کرنا چاہا کہ اسلامی شریعت کے سرچشموں پر ان کی نظر وسیع اور عمیق ہو، مجتہدات کو کتاب و سنت پر پیش کریں اور کسی خاص فقہی مسئلہ کے بارے میں اگر پورے تحقیق و مطالعہ کے بعد ان کو یہ احساس ہو کہ اس مسئلہ کی بنیاد کسی نص پر نہیں بلکہ صرف قیاس پر ہے اور اس مسئلہ کے بارے میں کوئی حدیث موجود ہے تو مسلک کے قول کو ترک کر کے حدیث صحیح مامور بہ کو اختیار کرلے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے علماء امت میں اجتہادی ذوق و مزاج پیدا کرنے کی کوشش کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بات بھی محسوس کی کہ تقلید جامد کے ردِّ عمل میں امت میں ایک طبقہ (اگر چہ وہ انتہائی محدود و مختصر ہے) ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ جو سرے سے تقلید کا انکار کرتا ہے اور عامۃ الناس کے لیے بھی تقلید کو حرام قرار دیتا ہے۔ حالاں کہ تقلید سماج کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور امت کے وہ افراد جو براہ راست کتاب و سنت سے استنباطِ احکام پر قادر نہیں ہیں ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ کسی امام و مجتہد کی تقلید کریں۔ حضرت شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی متعدد تحریروں میں عوام الناس کے لیے بلکہ غیر متبحر علماء کیلئے تقلید کی ضرورت واہمیت کو واضح کیا ہے اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پابندی کو لازم قرار دیا ہے اور ائمہ اربعہ کی تقلید میں کیا فوائد ہیں اور اسکی کیا حکمتیں ہیں اس پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ کے دو رسالے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" اور "عقد الجید فی احکام الاجتهاد و التقلید" بڑے فکر انگیز اور بصیرت افروز ہیں۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ہندوستان میں اہل سنت والجماعت کے تمام فرقے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا بزرگ اور پیشوا مانتے ہیں سب کا سلسلۂ تلمذ و اسناد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ برصغیر میں حنفی علماء کے جو مدارس اور مکاتب فکر ہیں ان کا سلسلۂ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے اور اہل حدیث کہلانے والے مدارس و مکاتب فکر سے وابستہ علماء کا سلسلۂ اسناد بھی عام طور پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اجتہاد و تقلید کے مسئلہ پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو راہ اعتدال بتائی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ دونوں طبقے کم وبیش اس سے دور ہوتے گئے اور جس جھگڑے کو چکانے کے لیے حضرت شاہ صاحب نے اپنا خون جگر جلایا اور اپنی علمی وفکری توانائیاں صرف کردیں حضرت شاہ صاحب کو اسی جھگڑے کا ایک فریق بنانے کی کوشش ہونے لگی۔ ایک طبقہ یہ کہنے لگا کہ حضرت شاہ صاحب پکے حنفی تھے اور دوسرے نے یہ آواز لگائی کہ وہ تو غیر مقلد تھے۔ اس کشاکش میں حضرت شاہ صاحب کا وہ پیغام ہی کھو گیا جو اجتہاد و تقلید کے مسئلہ میں انہوں نے امت کو دینا چاہا تھا اور وہ راہ اعتدال ہی گم ہوگئی جس پر چل کر آج بھی اس امت کے مختلف فرقے ایک دوسرے سے قریب آسکتے ہیں اور باہمی فاصلے کم ہوسکتے ہیں۔

اس صورت حال کی خبر پاکر بلاشبہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح

اس طرح شکوہ سنج ہوگی:

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جُز بے گناہی نیست تقصیرے

ادھر کچھ زمانہ سے اجتہاد وتقلید کی جنگ پھر زوروں پر ہے اس مسئلہ کو لے کر دونوں طرف کے بڑے بڑے سورما میدان میں کود پڑے ہیں اور برصغیر کی امت مسلمہ جس کا جسم مختلف قسم کے اختلافات کے زخموں سے زار ونزار ہے اس نئے اور جان لیوا اختلاف کی جراحتوں سے نڈھال ہورہی ہے۔ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اجتہاد وتقلید کے مسئلہ میں جو راہِ اعتدال امت کو دکھائی تھی اسے پھر سے بلند آہنگی اور علمی وقار کے ساتھ امت اور علماء امت کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کی پوری کوشش کی جائے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا معتدل نقطۂ نظر لوگوں میں عام ہو، اہل علم اسے قبول کریں اور اسے اختیار کر کے امت مسلمہ کے برسرپیکار طبقوں کو ایک دوسرے سے قریب لائیں۔

قارئین کی خدمت میں جو کتاب پیش کی جارہی ہے یعنی "فقہ ولی اللہی" اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔اس کتاب کے مصنف مولانا مفتی عبید اللہ الاسعدی استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، اہل علم کے حلقوں میں پوری طرح متعارف ہیں، ان کی بہت سی کتابیں عربی، اردو میں شائع ہوکر اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ مولانا موصوف کا علم وسیع، فکر رسا، اور ذہن موسوعی ہے۔ جس موضوع پر لکھتے ہیں اس کے تمام گوشوں کا احاطہ کرنے اور ممکنہ مراجع سے استفادہ کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ زیر نظر کتاب "فقہ ولی اللہی" میں برادرم مولانا عبید اللہ الاسعدی نے اجتہاد وتقلید کے موضوع پر حضرت شاہ صاحب کی تمام تحریروں کو پڑھ کر اور شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے بارے میں

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے ان کا ناقدانہ اور غیر جانبدارانہ جائزہ لے کر حضرت شاہ صاحب کے مسلکِ اعتدال کو واضح اور روشن کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

میرے مطالعہ کی حد تک اب تک اس موضوع پر اتنی تفصیل اور احاطہ کے ساتھ کسی نے قلم نہیں اٹھایا، موجودہ حالات میں اس موضوع پر لکھے جانے کی سخت ضرورت تھی یہ کتاب لکھ کر مولانا موصوف نے وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کی ہے۔ اندازِ بیان شستہ وسلیس اور سنجیدہ ہے، انشاء اللہ اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی اور تقلید واجتہاد کے بارے میں حضرت شاہ صاحب نے امت مسلمہ کو جس راستہ پر ڈالنے کی کوشش کی تھی اس کی بھرپور نشاندہی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس علمی کاوش وکوشش کو قبولیت سے نوازے اور قارئین کے لیے اسے نافع تر بنائے۔

ہمیں خوشی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت ضلع مظفر نگر اس کتاب کو شائع کرنے جارہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے نام پر قائم ہونے والی اکیڈمی ہی کو اس کتاب کی اشاعت کا زیادہ حق تھا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ یہ اکیڈمی اس سرزمین پر قائم ہے جسے حضرت شاہ صاحب کے ننیہال ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس قصبہ میں حضرت شاہ صاحب کے بے شمار اعزاء منتسبین ومتوسلین آباد رہے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت پر ہم حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے ذمہ داروں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور یہ امید کرتے ہیں کہ اکیڈمی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصنیفات کے نئے تحقیق شدہ ایڈیشن شائع کرنے کی کوشش کریگی، اوران کے افکار وعلوم کی اشاعت میں بھرپور حصہ لے گی۔

عتیق احمد قاسمی بستوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

امام دہلوی کا فقہی مسلک اجتہاد یا تقلید

ہندوستان کی اسلامی اور علمی وفقہی تاریخ میں ایک روشن نام موجودہ دور کی علمی تحریک اور بالخصوص درس حدیث کے بانی اور حقیقی روح رواں کی حیثیت سے، بارہویں صدی ہجری کے متبحر وعبقری عالم، امام ولی اللہ صاحب دہلویؒ م ۱۱۷۶ھ کا ہے، ضرورت ہے کہ ان کے فقہی ذوق ومسلک، اور عام فقہی ذوق پر ان کے ذوق ومسلک کے اثر کا جائزہ لیا جائے اسی کے تحت اس سلسلہ میں تین مقالے ترتیب دیئے گئے ہیں، پہلے مقالے میں اس امر سے بحث کی گئی ہے کہ امام موصوف مجتہد تھے یا مقلد تھے اور یہ کہ ان کا فقہی ذوق کیا تھا۔ دوسرے میں ان کے تقلیدی مذہب سے بحث ہے کہ موصوف عمومی طور پر کس امام اور مذہب کے پیرو تھے۔ اور تیسرے آخری مقالے میں امام صاحب نے اپنے ذوق نیز تدریس اور تصنیف وتحقیق کے ذریعہ عام علماء کے مزاج پر جو اثر ڈالا، اس کا ذکر ہے۔

امام موصوف کا شخصی تعارف

جہاں تک سوال ہے امام موصوف کے شخصی تعارف کا تو ہمارا خیال ہے کہ اس موقع پر اسکی کوئی خاص ضرورت نہیں، اسلئے کہ اب ملک وبیرون ملک دونوں کے علمی حلقے امام موصوف اور انکی علمی عظمت سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ اگر

پھر ممکن ہے کہ پوری سوانح عمری اور امام موصوف کے تمام تر کارنامے سب کے سامنے نہ ہوں اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے لیکن فی الجملہ انکے احوال سے عمومی واقفیت پائی جاتی ہے اور انکی عظمت اور تحقیقات کا بلند پایہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے۔

ہندوستان میں تو امام موصوف کے بعد ہر عہد میں لوگ ان سے واقف رہے ہیں۔ اس لیے کہ امام موصوف اسی ملک کے آسمان علم و تحقیق کے آفتاب عالم تاب تھے، حضرت امام کی حیات میں ہی ان کی تصنیفات اطراف ملک میں پھیل گئی تھیں اور ان کی تحقیقات سے اہل علم آشنا ہو گئے تھے شاگردوں کا سلسلہ ہر چہار طرف پھیلا ہوا تھا۔ پھر دہلی جیسے ملک کے مرکزی شہر میں قیام تھا، اس لیے اردو میں تو برابر ان پر کچھ نہ کچھ لکھا جاتا رہا ہے۔

اور جب وسائل کی کثرت ہوئی اور کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں سہولت اور وسعت پیدا ہوئی تو امام موصوف کی شہرت ملک سے بیرون ملک بھی پہنچی، نیز اس صدی اور اس سے پیشتر کی صدی میں تالیف کی جانے والی مختلف اہم عربی تصانیف میں بھی ہندوستان کے ایک بلند پایہ عالم کی ہی حیثیت سے نہیں بلکہ اسلامی ہند اور مسلم دنیا کے ممتاز مصلح کی حیثیت سے انکا ذکر آتا رہا ہے۔ مثلاً ندوۃ العلماء کے سابق ناظم مولانا حکیم سید عبدالحیؒ صاحب حسنی کے قلم سے ان کی کتاب نزھۃ الخواطر کی چھٹی جلد میں (مولانا موصوف نے اپنی اس عظیم الشان تصنیف کی آٹھ جلدوں میں اسلام کے روز اوّل سے لے کر اس صدی کے وسط تک ہندوستان میں باہر سے آکر بسنے والے اور خود یہیں کی زمین پر پروان چڑھنے والے علماء نیز با اثر مسلمانوں کا ذکر کیا ہے) اسی طرح مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کے قلم سے ان کی کتاب ''تاریخ الدعوۃ الإسلامیۃ فی الھند''میں، مولانا موصوف نے حضرت امام کا ذکر بڑی تفصیل سے اور خالص اصلاحی جدوجہد کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے کیا ہے اور بالخصوص امام موصوف

کے فقہی نقطہ نظر سے بحث کی ہے، نیز اسلامی تاریخ کے مشہور اور بلند پایہ عالم جن کی تمام تصنیفات بیرون ملک کی دنیا میں کونے کونے میں پہنچ چکی ہیں اور دنیا کی مختلف اہم زبانوں میں شائع ہوئی ہیں یعنی مخدومنا مولانا سید ابوالحسن علیؒ صاحب حسنی ندوی نے بھی اپنی بعض تصانیف میں حضرت امام کا تذکرہ فرمایا ہے، مثلاً ''الدعوة الإسلامية في الهند'' میں- اور اخیر میں ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا پانچواں حصہ انہیں کے ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے۔

نیز دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعض فضلاء نے ملک وبیرون ملک میں اسناد فضیلت کے حصول کے لیے بھی حضرت امام سے متعلق مقالات تصنیف فرمائے ہیں جن میں سے مولوی محمد سلمان صاحب حسینی ندوی کا مقالہ حضرت امام کے فقہی مسلک سے ہی متعلق ہے۔

حضرت امام کے حالات زندگی میں بزبان عربی عم محترم مولانا سید محمد اجتباء صاحب ندوی پی ایچ ڈی علیگ کا بھی ایک مقالہ ہے جو انہوں نے ندوۃ العلماء کے ۸۵ رسالہ جشن تعلیمی کے موقع پر ارباب انتظام کی خواہش پر تحریر فرمایا تھا اور بعد میں وہ شائع بھی ہوا بعنوان ''الإمام أحمد بن عبدالرحيم المعروف بالشاه ولي الله الدهلويؒ''

اسی پر بس نہیں بلکہ یورپ وامریکہ کی یونیورسٹیوں میں بھی چند حضرات نے حضرت امام پر کام کر کے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے[1]۔

مختصر حالات، پیدائش وتعلیم

مختصر حالات حضرت موصوف کے یہ ہیں کہ حضرت کا نسبی تعلق حضرت عمرؓ سے ہے۔ آپکے والد ماجد مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلی کے بڑے اور ممتاز علماء

[1] مقدمہ تذکرہ امام ولی اللہ دہلویؒ

وبزرگوں میں سے تھے۔بعض روایات کے مطابق فتاویٰ عالمگیری کومرتب کرنے والی جماعت کے ساتھ آپ نے بھی کچھ کام کیا۔آپ کی پیدائش عہد عالمگیر میں ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب آپ کے ننھیال (قصبہ پھلت ضلع مظفرنگر۔یوپی) میں ہوئی،گھر کا ماحول علمی اور دیندار تھا پانچ سال کی عمر سے تعلیم کا سلسلہ شروع ہوااور عمر کے پندرہویں سال میں حفظ کلام پاک کے ساتھ نہ صرف ان علوم مروجہ کی تکمیل کرلی جن کے پڑھنے پڑھانے کا عام رواج تھا بلکہ علوم باطنیہ کی بھی والد ماجد سے تکمیل کر کے اجازت کا شرف حاصل کیا۔

عملی زندگی

اس کے بعد درس وتدریس اور وعظ وارشاد کا سلسلہ شروع فرمایا اور جب عوام اور عملی زندگی سے سابقہ پڑا اور امت کی زبوں حالی اور ملک کے سیاسی حالات سامنے آئے تو ساتھ ہی اپنی اس تحریک اصلاح کا سلسلہ بھی شروع کیا جس نے سید احمد شہیدؒ اور اسمٰعیل شہیدؒ کے ہاتھوں ''خلافتِ راشدہ'' کے قیام اور باقاعدہ سلسلہ جہاد کی صورت اختیار کی اور وہی تحریک انگریزوں کے مقابلہ میں ۱۸۵۷ءاوراس کے بعد کی جنگ آزادی کے نام سے موسوم ہوئی نیز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سے آپکے سلسلہ کے علماء وادارے دارالعلوم دیوبند ودارالعلوم ندوۃ العلماء وغیرہ اسی تحریک کے علمبردار رہےاور ہیں۔

حضرت موصوف کی اس سرتاپا جدوجہداور ہمہ جہت زندگی کا خاتمہ ۲۹؍محرم ۱۱۷۶ھ کو بوقت ظہر ہوا جب کہ آپکا آفتاب زندگی غروب ہوگیا۔آپ کی عملی زندگی کا آغاز تقریباً ۳۱-۱۱۳۰ھ سے اور اس کا خاتمہ ۱۱۷۶ھ پر ہے یعنی کل تقریباً ۴۶، ۴۷، سال کے طویل عرصہ تک آپ نے عظیم الشان مساعی کوانجام دیا۔اس مدت میں حجاز وحرمین کا دوسالہ سفر بھی فرمایااور وہاں خصوصیت سے علم حدیث کی تحصیل کی اور متعدد

اساتذہ سے اجازت حاصل کی، اور پھر واپس تشریف لائے اس نعمت عظمیٰ کو لیکر واپسی کے بعد ہی اصلی جوہر کھلے، اور آپ کے علوم اور تحقیقات سے دنیا روشناس ہوئی۔

حدیث سے متعلق خدمات

آپ نے درس حدیث کی وہ بنیاد و بناڈالی کہ اس پر کھڑی ہونے والی عمارت آج تک قائم ہے۔ اور آپ کا لگایا ہوا پودا برابر برگ و بار لاتا رہا اور پورے عالم کو اپنے ثمرات سے نوازتا رہا ہے، آج آپ کے سلسلۂ تلمذ سے مستفید ہونے والوں کی حدیثی تحقیقات کا دنیائے علم و تحقیق میں نام روشن ہے اور ان کی تصنیفات اکناف عالم میں پھیل چکی ہیں۔

اخلاف

آپ نے اپنے بعد اخلاف نسبی و روحانی دونوں ہی چھوڑے اور ایسے کہ ہر دو قسم امت کے لیے باعث افتخار ہے۔ اخلاف نسبی میں آپ کے صاحبزادگان اور صاحبزادگان کی اولاد ہے، اخلاف روحانی میں مولانا عبید اللہ صاحب پھلتی، مولانا نور اللہ بڈھانویؒ، خواجہ محمد امین کشمیری، شاہ ابوسعید رائے بریلوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، علامہ مرتضیٰ حسینی بلگرامی، اور علامہ محمد معین سندھی وغیرہ، ان تمام حضرات نے حضرت کے علمی سلسلہ کو پروان چڑھایا اور حضرت کی تحریک کو فروغ دیا اور علاقہ علاقہ میں بالخصوص درس حدیث کے مدارس قائم کئے۔

تصنیفی خدمات

ان سراپا علم و معرفت افراد کے علاوہ آپ اپنے بعد علوم و تحقیقات کے گرانقدر موتیوں پر مشتمل دریائے علم و تحقیق، اپنی تصنیفات کی صورت میں بھی چھوڑ

ھیے جنکی تعداد تیس تک پہنچتی ہے جو تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور تصوف وغیرہ متعدد علوم میں ہیں قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کرنے میں آپ کو سبقت حاصل ہے، تصنیفات میں بھی بعض اپنے موضوع و معلومات میں منفرد ہیں مثلاً حجۃ اللہ البالغہ جو اسرار و حکم میں نادر کتاب ہے نیز آپ نے اپنی متعدد کتابوں میں تقلید و اجتہاد کو بھی موضوع بنایا ہے بعض رسائل میں مستقلاً اس موضوع پر بحث فرمائی ہے۔

ایک اجمالی تبصرہ

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موصوف وقت کے ایک زبردست عالم و محقق، ظاہر باطن دونوں کے جامع، اسرار و رموز سے واقف، بیسیوں علوم و فنون پر حاوی اور اجتہادی صلاحیتوں سے پورے طور پر آراستہ تھے اور اپنی جدوجہد نیز اصلاحی مساعی کے اعتبار سے آپ کا معاملہ بقول مولانا مسعود عالم صاحب ندوی یہ تھا کہ:

"ان الامام الدھلوی من الرجال العباقرة الا فذاذ الذین یسعون لیل نهار لاحداث انقلاب فکری و تغییر فی عقول الناشئة و الشبیة وصقل أذهان الشیوخ لیرقی بهم جمیعا الی المستوی الفکری المنشود الذي یمکنهم من النظر الی الاشیاء نظرة الناقد المنصف النزیه غیر متاثر بما تملی علیه بیئة وتدعوا الیه من سفاسف القول ومنکرات الافعال".

"امام موصوف ان عبقری اور یگانۂ زمانہ لوگوں میں سے تھے جو رات و دن فکری انقلاب کے لیے کوشاں رہتے ہیں نیز اس تگ و دو میں رہتے ہیں کہ نوعمروں اور جوانوں کی عقلوں کو بدل سکیں اور عمر درازوں کے ذہن کو صیقل کر سکیں تا کہ ان سب کو بحث و فکر کے اس معیار تک لے جایا جاسکے کہ جہاں سے ان کے لیے تمام اشیاء کو ایک

منصف اور تعصب سے پاک ناقد کی نگاہوں سے دیکھنا اور پرکھنا ممکن ہو اور وہ اپنے اس طریق وطرز عمل میں اپنے ماحول اور اس کے پیدا کردہ سطحی و جاہلانہ اقوال نیز غلط افعال واعمال سے متاثر نہ ہوں[1]"

آپ کی عظمت منصب جس تفصیل وتوضیح کی متقضی ہے اس کا موقع نہیں صرف چند اصحاب علم کی شہادتوں پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب

نواب موصوف خود بڑے عالم اور احادیث پر بڑی نظر رکھنے والے، مسلکا سلفی تھے تاریخ اور احوال رجال سے بھی بخوبی واقف تھے اس موضوع پر مختلف کتابیں تصنیف فرمائی ہیں وہ حضرت امام موصوف کی بابت فرماتے ہیں:

"حق یہ ہے کہ اگر صدر اوّل اور گزشتہ صدی میں ان کا وجود ہوتا تو "امام الائمہ" اور "تاج المحدثین" شمار کئے جاتے[2]"

مولانا عبدالحی حسنی صاحب نزہۃ الخواطر

مولانا موصوف بڑے مورخ تھے بالخصوص ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور رجال پر بڑی وسیع نظر تھی جس کی شاہد ان کی گراں مایہ ضخیم کتاب "نزھۃ الخواطر" ہے وہ امام موصوف کے متعلق فرماتے ہیں:

"انه خصه بعلوم لم يشرك معه فيها غيره والتي اشرك فيها معه غيره من سائر الائمة كثيرة لا يحصيها البيان".

"حق تعالیٰ نے آپ کو بہت سے ایسے علوم سے نوازا تھا جن میں دوسروں کو شریک ہی نہیں فرمایا اور جن علوم میں آپ کے ساتھ دوسرے

---

[1] تاریخ الدعوة الاسلامیہ فی الہند ص: ۱۳۹،۱۴۰۔

[2] اتحاف النبلاء ص: ۴۳۰۔

ائمہ کو شریک فرمایا وہ بھی تعداد میں بہت ہیں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔[1]

خلف اکبر کا ایک بیان

حضرت کے خلف اکبر شاہ عبدالعزیز صاحب کا خود اپنے متعلق ایک بیان ملاحظہ ہو، شاہ صاحب سے منقول ہے:

علمی کہ دیدہ ام و یاد ہم بقدر خود دارم یکصد و پنجاہ علم است ونصف آں در اماں سابق و نصفش دریں است تصنیف شدہ

"جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور اپنی صلاحیت کے اعتبار سے
ان کی ایک معقول مقدار مجھے محفوظ بھی ہے ڈیڑھ سو علوم ہیں، ان میں سے
نصف پچھلی امتوں میں اور نصف اسی امت میں تصنیف ہوئے۔[2]"

اور یہ حق بھی ہے کہ شاہ صاحب کو موسیقی وغیرہ جیسے علوم کے اصول وقواعد پر اس درجہ عبور تھا کہ اس کے ماہرین بھی آ کر آپ سے اصلاح لیتے تھے[3]، جب آپ کے شیخ و مربی اور پھر آپ کے تلامذہ سیکڑوں سے متجاوز علوم وفنون کے جامع تھے اور یہ سلسلہ آپ کے تلامذہ پر ہی منتہی نہیں ہوا بلکہ تلامذہ در تلامذہ حضرت نانوتویؒ وغیرہ کے متعلق یہ جامعیت منقول ہے تو حضرت امام کی جامعیت کا کیا حال ہوگا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

امام دہلوی اور فیضان علوم

اس لیے کہ حضرت امام کو مکاشفات اتنی بڑی تعداد میں ہوئے اور ملاء اعلیٰ سے آپ پر علوم و معلومات کا وہ فیضان ہوا کہ جو کم ہی کسی کے متعلق منقول ہے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج:۶، ص:۴۰۰۔

[2] ملفوظات عزیزی، ص:۳۰۶۔

[3] مضمون گیلانی بحوالہ ملفوظات عزیزی۔ ملاحظہ ہو سوانح قاسمی۔

ذیل میں اس سلسلہ کی دو اہم چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرات حسنین کا عطا کردہ قلم

حضرت امام کا ایک رسالہ ہے"الدرّ الثمین "جس میں حضرت نے خصوصیت سے بعض ایسی چیزوں کو جمع فرمایا ہے جو انہیں حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک سے براہِ راست یا ایک دو واسطوں سے پہنچی ہیں، اسی رسالہ میں حضرت نے ذکر فرمایا ہے:

"رأیت فی المنام ان الحسن و الحسین رضی الله عنهما نزلا فی بیتی و بید الحسن رضی الله عنه قلم قد انکسر لسانه فبسط یده لیعطینی وقال هذا قلم جدی رسول الله ﷺ ثم امسك بیده وقال حتی یصلحه الحسین فاصلحه ثم ناولنیه. ثم جیئ بر داء فرفعه الحسین وقال هذا رداء جدی رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم ألبسنیه".

"میں نے خواب دیکھا کہ حضرات حسنین میرے گھر میں تشریف لائے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں ایک قلم ہے جس کا نِب ٹوٹا ہوا ہے حضرت نے وہ قلم مجھے عنایت فرمانے کے لیے دست مبارک بڑھایا اور فرمایا کہ میرے جد امجد کا قلم ہے، لیکن پھر ہاتھ روک لیا اور فرمایا رک جاؤ ذرا حسین اسے ٹھیک کر دیں، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے ٹھیک کیا پھر مجھے عنایت فرمایا۔ پھر ایک چادر لائی گئی جس کے متعلق حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جد امجد کی چادر ہے پھر وہ چادر مجھے اوڑھا دی۔[۱]"

اس خواب کے جملہ اجزاء میں کیا اشارات ہو سکتے ہیں اس کے لیے مولانا

[۱] الدر الثمین شامل رسالہ مسلسلات ص: ۵۷، حجۃ اللہ، ج: ۱، ص: ۳۰۔

گیلانی کے قلم سے لکھے گئے مضمون کا مطالعہ کیجئے جو ماہنامہ الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر میں شامل ہے، یہاں تو بس خود حضرت پر اس کا کیا اثر پڑا اس کو خود انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت فرماتے ہیں:

"فمن يومئذ انشرح صدری للتصنيف فی العلوم الشرعية".

"بس اسی دن سے علوم شرعیہ میں تصنیف کے لیے میرا سینہ کھل گیا۔"[1]

قلم ایسا چلا کہ کوئی نازک سے نازک موضوع تشنہ نہ رہا۔ اہم ابحاث کو صفحات قرطاس پر جنم دیا اور اس کے ذریعے وجود میں آنے والی تحقیقات نے عرب وعجم پر حضرت مصنف کا سکہ بٹھایا اور اس وقت سے آج تک برابر ہند و بیرون ہند میں حضرت کی تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور دن بدن شہرت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ حضرت مصنف نے اپنی تحقیقات وآراء کے سپرد قلم کرنے میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کی نہ علماء وقت کے نظریات کی اور نہ امراء عہد کی خواہشات کی، گویا بذریعہ تصنیف خدمت علم ودین کے لیے حضرات حسنین کی سنت سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرلیا اور حق کی سربلندی کے لیے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی مصائب وآلام کے دوراہے پر لاکھڑا کیا چنانچہ بہت خطرات سے حضرت موصوف اور آپ کے اہل وعیال کو گزرنا ودوچار ہونا پڑا۔ حضرت اور ان کے خانوادے کے متعلق احوال پر مشتمل کتابوں میں آپ اس کا تفصیلی ذکر ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کی رداء مبارک

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

بينا انا مراقب فی المسجد فی بلدة كهمبايت بعد

[1] الدر الثمین ص: ۵۷۔

العصر افشاهدت روحه الكريمة صلى الله عليه وسلم قد حضرت فالبسني رداء فظهر لي في ذلك الحين بعض دقائق العلوم الشرعية ولم تزل تتزايد حينا بعد حين.

''ایک دن احقر عصر کے بعد شہر کمبات کی مسجد میں مراقب ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضور ﷺ کی روح ظاہر ہوئی اور مجھ کو ایک چادر سے ڈھانک لیا۔ اور اس وقت مجھ پر علوم شرعیہ کے بعض دقائق منکشف ہوئے جن میں برابر ترقی ہوتی رہی[۱]''

امام دہلوی کا ایک بیان

ان بے بہا نوازشوں کے پیش نظر امام موصوف نے اپنے متعلق جو درج ذیل الفاظ تحریر فرمائے ہیں حق فرمایا ہے اور عملاً آپ کی جدوجہد اور تحقیقات کی روشنی میں آپ کا یہ بیان حرف بحرف صادق ہے، فرماتے ہیں:

''حدیث پاک کے اسرار، احکام کے مصالح، ترغیبات اور دیگر وہ تمام چیزیں جنہیں حضور اکرم ﷺ حضرت حق کی جانب سے لے کر آئے تھے اور آپ نے امت کو ان کی تعلیم فرمائی تھی ان کو بیان کرنا مستقل ایک فن ہے اور یہ ایسا فن ہے کہ احقر سے پہلے کسی شخص نے اس ضبط کے ساتھ اسے نہیں تحریر فرمایا جو احقر کی تحریرات میں موجود ہے حالاں کہ یہ فن بڑی جلالت قدر کا حامل ہے۔

• اگر کسی کو اس بیان کی بابت کوئی شبہ ہو تو شیخ عز الدین کی کتاب ''القواعد'' کا مطالعہ کرے کہ موصوف انتہائی جدوجہد کے باوجود فن کے عشر و عشیر کو بھی بیان وضبط کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے[۲]''

---

[۱] الدر الثمین، ص: ۵۷۔ حجۃ اللہ، ج:۱، ص:۳۰۔

[۲] مضمون مولانا گیلانی شاہ ولی اللہ نمبر بحوالہ ''انفاس العارفین'' ص:۱۹۶۔

تصنیف میں حضرت امام کا طریق کار

حضرت کی علمی تحقیقات کی قدر و قیمت اور بلندی و عظمت کا اندازہ مذکورہ بالا دونوں بیانات سے لگایا جاسکتا ہے اور یہی دو نہیں اس قسم کے نہ جانے کتنے واقعات ہیں حضرت کی یہ تحقیقات عالیہ جن میں سے بہت سی چیزیں متقدمین سے منقول نہیں اور اگر منقول ہیں تو ان سے ان امور کی اتنی توضیح نہیں ہوسکی جو امام موصوف کی زبان و قلم سے ہوئی۔ انکا اصلی باعث کیا تھا اس کو نیز حضرت کی ان تحقیقات کے استناد و اعتماد کو حضرت کے والا قدر خلف اکبر کے ایک بیان سے سمجھئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا:

بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می سہ می نگاشتند۔

> ''امام موصوف مراقبہ کے بعد از روئے کشف جو باتیں منکشف ہوتی تھیں انہیں کو قلم بند فرمایا کرتے تھے[1]''

حضرت مولانا گیلانی یہ بیان فرمانے کے بعد کہ عوام تو شاید خواب کے اس قلم کو خواب و خیال والا قلم خیال کرتے ہوں گے، وجد میں آکر فرماتے ہیں:

> ''کون کہہ سکتا ہے کہ اس مراقبہ میں شاہ صاحب کا رخ کس طرف ہوتا تھا اور اس سے کیا مقصود تھا ان تصانیف کیلئے آپکو جس مقام سے قلم ملا تھا کیا اس طرف توجہ کر کے بیٹھ جانے یا خواب والے قلم کو پھر اپنے اندر بیدار کرنے یا اسکے سوا کوئی اور چیز آپکے پیش نظر تھی[2]''

تفہیمات اور تقلید و اجتہاد سے متعلق امام دہلوی کی بحث و گفتگو

امام موصوف نے چونکہ زندگی کے ہر میدان اور علوم اسلامیہ میں سے ہر عظیم

---

[1] ملفوظات عزیزی، ص:۴۰۔

[2] ماہنامہ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص:۲۲۳۔

الشان فن میں مجددانہ خدمات انجام دیں اور امتدادِ زمانہ نیز اہل علم کی طبائع میں عام جمود و تعطل کی وجہ سے ہر فن کی تحقیقات عالیہ پر زمانہ سے جو پردے پڑے ہوئے تھے انہیں دور فرمایا۔ مثلاً تفسیر، حدیث اور تصوف وغیرہ، تو فقہ جو کہ اس معنی میں اصل الاصول ہے کہ اسلامی زندگی کے اساسی اصول وقواعد اسی فن میں بیان کئے گئے ہیں اس پر بھی توجہ فرمائی اور صدیوں سے جس نظام وطریق کو عام علماء نے اختیار کررکھا تھا اس میں سیاہ وسفید اور صحیح وغلط کو واضح فرمایا۔ حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات اور ازالۃ الخفاء وغیرہ میں ضمناً اجتہاد وتقلید کے موضوع سے بحث کی ہے اور مستقلاً بھی ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید'' اور ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' کے عنوان سے دو رسائل اس موضوع پر تصنیف فرمائے اور ان میں اجتہاد وتقلید کے متعلق امت کے طریق کار اور اس باب میں راہِ اعتدال کو پیش فرمایا۔ نیز فروعات کے بیان کے سلسلے میں آپ نے ''موطا امام مالک'' کی شروح ''المسوی'' اور ''المصفی'' کو اختیار فرمایا بالخصوص جس میں بزبان فارسی احادیث کی تشریح وتوضیح بھی فرمائی ہے اور مسائل کو بھی بیان فرمایا ہے۔

امام موصوف کے فقہی مسلک کی بابت باہمی کشاکش

حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں چوں کہ احناف وشوافع دونوں ہی تھے اگرچہ اکثریت احناف کی تھی اور چوں کہ خود شاہ صاحب کا آبائی فقہی مذہب بھی عام اہل ہند کی طرح حنفیت ہی تھا اور شوافع بس معدودے چند تھے اور حضرت موصوف ائمہ کے فقہی مسالک پر بڑے بسط کے ساتھ اور محققانہ کلام فرمایا کرتے نیز یہ کہ تقلید اور ائمہ کے مذاہب پر عمل کی بابت عمومی طور پر جو افراط وتفریط پایا جاتا ہے اس پر امام موصوف سخت تنقید بھی فرماتے تھے، جیسا کہ آپ آئندہ ملاحظہ

فرمائیں گے اس لیے امام موصوف کی بابت ان کی حیات میں اور حیات کے معا
بعد تو نہیں البتہ کچھ عرصہ کے بعد سے یہ اختلاف پیدا ہوا کہ حضرت کا فقہی مشرب
کیا تھا؟ آیا مجتہد مطلق تھے جیسے حضرات ائمہ اربعہ اور مابعد کے زمانے میں ابن
حزم اور شوکانی وغیرہ۔ یا مقلد محقق تھے جیسے ہر فقہی مذہب کے وہ علماء جن کو فقہ
وحدیث دونوں میں مناسبت تھی مثلاً علامہ ابن حجر شافعی، علامہ ابن تیمیہ حنبلی،
علامہ ابن الہمام حنفی وغیرہ۔ نیز مقلد ہونے کی صورت میں فقہی مذہب کیا تھا؟ حنفی
تھے یا شافعی اس لیے کہ ہندستان میں ائمہ اربعہ کے مذاہب میں سے یہی دو مذہب
رائج ہیں اور امام موصوف کی اکثر تحقیقات انہیں دونوں مذاہب کے اقوال میں دائر
وسائر ہیں، اس اختلاف کا بڑا باعث حضرت کے تلامذہ کے متنوع المذاہب
ہونے اور حضرت کی تحقیقات کے کلیتہً کسی ایک فقہی مذہب کی کتب میں ذکر کردہ
مسائل کے موافق نہ ہونے کے علاوہ حضرت کی علمی عظمت اور جلالت شان بھی
ہے کہ پھل دار درخت پر ہر ایک قبضہ جمانا چاہتا ہے، اور بمصداق "وللناس
فیما یعشقون مذاھب" ہر ایک مسلک و مذہب کے لوگ امام موصوف کی
تحقیقات کا سہارا لیکر اپنی جماعت کا فرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں،
خصوصیت سے حضرات اہل حدیث اور احناف کے درمیان یہ ایک معرکتہ الآراء
اختلافی مسئلہ ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ طبقہ اہل حدیث کے مشہور عالم ومقتدا
مولانا نذیر حسین صاحب کو حضرت امام کے علوم کا امین اور شاہ اسحٰق صاحب دہلوی
کے بعد ان کی مسند کا جانشین قرار دیا جاتا ہے اور وہ ہندوستان میں اس مسلک کے
بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے انہیں حالات کے
پیش نظر اس کی بابت جو کچھ فرمایا ہے حق یہ ہے کہ بہت خوب فرمایا ہے۔

مولانا نعمانی کا ایک بیان

"ملت کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ شاہ صاحب کی وہ ذات جس کا صحیح

اور عادلانہ فیصلہ، حاملان تقلید اور مخالفان تقلید دونوں گروہوں کو ایک
معتدل مسلک پر جمع کر سکتا تھا یا کم از کم دونوں فریقوں میں اعتدال
پیدا کر کے اور ان کی باہمی منافرت و بیجا عصبیت کو مٹا کر ایک
دوسرے سے قریب کر سکتا تھا۔ انہی کو بحیثیت فریق اس بحث میں دھر
لیا گیا ہے۔ ایک طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو تقلید اور حنفیت
کا پکا دشمن باصطلاح حال، بحیثیت غیر مقلد، ثابت کیا جائے اور دوسری
طرف سے اس کے جواب میں آپ کو عرفی قسم کا پکا حنفی اور موجودہ
دور کی مروج تقلید کا حامی ثابت کرنے کے لیے زور لگایا گیا۔[1]"

اس کشاکش کا نتیجۂ بد

حضرت مولانا نے اس کے بعد اس باہمی کشاکش کا نتیجہ ان الفاظ میں ذکر
فرمایا ہے:

"نتیجہ ان دونوں کوششوں کا یہ ہوا کہ شاہ صاحب کا جو مقصد تھا وہ
فوت ہو گیا"

امام دہلوی کے نظریۂ فقہ پر عمل کا نتیجۂ خیر

مولانا موصوف نے اسکے بعد بصد حسرت الفاظ ذیل میں یہ اظہار فرمایا ہے
کہ اگر امام کے نظریہ مذکور کو بصد جان و دل قبول کر لیا جاتا تو کیا نتائج ظاہر ہوتے:

"کاش اگر بجائے اس روش کو اختیار کر لینے کے حضرت شاہ صاحب
سے نسبت رکھنے والے احناف اس قسم کے حنفی بنتے اور حنفیت کے اس
طریقہ کیفیہ کا ملا رائج کرنیکی کوشش کرتے جو شاہ صاحب کا طریقہ تھا.
اور اسی طرح سے شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے عاملین بالحدیث

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۴۰۰، ۳۹۹۔

تقلید اور حنفیت کو اس درجہ میں تسلیم کر لیتے جو شاہ صاحب نے صراحۃً
ان کو دیا ہے اور شاہ صاحب کی طرح اپنے اختلاف اور اپنی تنقید کا نشانہ
صرف غیر شرعی تقلید اور مسخ شدہ حنفیت کو ہی بناتے اور صحیح قسم کی تقلید
اور اصلی حنفی یا کم از کم حنفیت میں شاہ صاحب کے پسندیدہ طریقہ کو ہی
قبول کر لیتے یا برداشت ہی کر سکتے تو شاہ صاحب کا منشا پورا ہو جاتا[1]"

امام موصوف کے متعلق مولانا نعمانی کا فیصلہ

اسی کشاکش کی بنا پر مذکورہ بالا بیان کے اختتام میں مولانا نعمانی نے امام
موصوف کے فقہی مسلک کے بابت اپنا فیصلہ درج ذیل الفاظ میں سپردِ قلم فرمایا ہے:

"جو حضرات یہ معلوم کرنے کے لیے میری رائے کے منتظر ہوں
کہ آج کل کی عام عرفی اصطلاح کی رو سے شاہ صاحب حنفی یا غیر مقلد
تھے تو افسوس ہے کہ ان دونوں لفظوں نے اب جو خاص معنی اختیار
کر لیے ہیں ان کے پیش نظر اس سوال کا جواب میرے نزدیک صرف
منفی ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر میں یہ کہتا ہوں کہ شاہ صاحب آج
کل کی عام اصطلاح کے لحاظ سے حنفی نہیں تھے تو غلط نہیں کہتا[2]"

مولانا کی رائے کی واقعی حیثیت

ہمیں اس مقالہ میں مولانا کی اس رائے اور اس سے پیشتر کی تصریحات کا
جائزہ لینا ہے۔

حق یہ ہے کہ امام موصوف کی تحریرات وتحقیقات کو سامنے رکھنے پر اور بنظر
انصاف ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص یہ کہنے پر مجبور و مضطر ہوگا اور ہوتا ہے کہ

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۴۰۱-۴۰۰۔

[2] ایضاً، ص: ۴۰۱۔

مولانا نعمانی کا فیصلہ من وعن صحیح اور واقع کے عین مطابق ہے اور اس میں کسی درجہ اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت امام نے اپنی متعدد تصانیف میں مستقلاً یا ضمناً اس موضوع پر گفتگو فرمائی ہے جو کہ عرصہ پچیس سال کے اندر مختلف اوقات میں تحریر فرمائی گئی ہیں۔ ان تصانیف کی تصریحات کو سامنے رکھئے تو آپ یہی فرمائیں گے کہ:

"آج کی عرفی اصطلاح کے مطابق امام موصوف نہ حنفی تھے نہ شافعی، اور نہ ہی اہل حدیث، بلکہ ان تمام سے الگ ایک مسلک کے علمبردار تھے نیز یہ کہ حضرت موصوف نہ صرف یہ کہ تقلید کے حامی تھے بلکہ خود بھی تقلید پر عامل تھے"۔

اور محض چند بیانات کے مطالعہ سے کبھی کسی کے نظریہ کی تنقیح و تحقیق نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اس کی تمام تر تحقیقات اور پھر اس کی عملی زندگی کو سامنے رکھ کر امر واقعہ کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ امام موصوف کا بھی یہی معاملہ ہے کہ ان کے چند بیانات پر اکتفا اُن کے متعلق غلط فیصلے اور اس طرح گویا ان کی مساعی جمیلہ کی ناقدری کا باعث ہوگی اور تمام تحقیقات و تصریحات کو سامنے رکھنے کی صورت میں غلط فہمیوں کا بادل چھٹنے پر آفتاب حقیقت پوری آب و تاب کے ساتھ آپ کو چمکتا نظر آئے گا۔

حضرت امام دہلویؒ کے متعلق اس موضوع پر لکھنے والے

احقر نے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر کوشش کی ہے کہ حضرت امام کی عملی زندگی کے اس پہلو کی بابت جو کچھ لکھا گیا ہے اور جن آراء کا اظہار کیا گیا ہے وہ تمام نیز خود امام موصوف نے اپنی زبان و قلم سے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ تمام تصریحات سامنے رہیں تا کہ کسی رائے کی تنقیح کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ راہ

صواب تک پہنچا جا سکے۔ امام صاحب سے متعلق اس موضوع اور اختلاف کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ عموماً جن حضرات نے کسی درجہ امام صاحب کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اس پہلو پر ضرور بحث کی ہے۔

حضرت امام کا ایک مکاشفہ

امام موصوف نے ''فیوض الحرمین'' کے ایک مکاشفہ میں فرمایا ہے:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ قائم الزماں ہوں[۱]۔''

اور اس لفظ کو ایک اصطلاح قرار دیتے ہوئے خود حضرت موصوف نے اس کی وضاحت میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس وقت عالم وزمان کی اصلاح کا ذریعہ بنایا ہے، اس مکاشفہ کی بنیاد پر امام موصوف نے اپنے وقت میں موجودہ ہر نظام وانتظام کا جائزہ لیا اور پھر ہر شعبہ و ہر طبقہ کے سیاہ وسفید پر انگلی رکھ دی، اور ہر ایک کو جھنجھوڑ کر اور ہلا کر رکھ دیا، اس سلسلہ کی سب سے اہم چیز تفہیمات کی وہ عبارت ہے جس میں آپ نے نام بنام سلاطین وامراء، مشائخ وعلماء، عوام وطلباء، فوج وگوشہ نشیں، عباد وصوفیاء اور دیگر طبقات امت کو خطاب فرما کر ہر ایک کے اندر پائے جانے والے اہم غلط پہلو کی نشاندہی اور اصل الاصول راہ صواب کو واضح فرمایا ہے۔ یہی معاملہ حضرت نے فقہاء امت کے ساتھ فرمایا ہے[۲]۔

امام دہلوی کے معاصر مکاتب فکر

امام موصوف نے اللہ کی عطا کردہ خصوصی صلاحیت اور یوں کہیے کہ اپنی ''ایمانی فراست'' کے ذریعے جب مختلف طبقات امت پر ناقدانہ نظر ڈالی تو

---

[۱] فیوض الحرمین، ص:۸۹۔

[۲] التفہیمات الالٰہیۃ: ج:۱، ص:۱۶-۲۱۳۔

فقہیات میں آپ کو پوری امت اصولاً دو طبقات میں نظر آئی، ایک مقلدین دوسرے تقلید سے آزادی کا دعویٰ کرنے والے محدثین و بزعم خود مجتہدین۔

مقلدین اور ان کا افراط و تفریط

ایک طبقہ تو مقلدین یعنی حضرات ائمہ اربعہ کے پیرو اور متبعین کا تھا اور ہندستان کے علاقوں میں عمومی طور پر امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کی پیروی و اتباع رائج تھی اور ائمہ کی پیروی میں اس درجہ غلو تک نوبت پہنچ چکی تھی کہ سارا اعتماد و استناد اور بحث و تحقیق کا دارومدار بس کتب فقہ کی نقول و نصوص اور فقہاء مذاہب اربعہ کے اقوال و روایات پر تھا اس سے باہر کی نہ تو کوئی بات کہی اور سنی جاتی تھی اور نہ ہی برداشت کی جاتی تھی خواہ باہر کی بات کسی حدیث پر کیوں نہ مبنی ہو۔ یہ طبقہ تقلید اور کتب فقہ کی نصوص پر عمل کرنے میں افراط اور مسائل کے اصل مآخذ قرآن وسنت سے براہِ راست رجوع اور احادیث پر عمل کرنے کی بابت تفریط کا شکار تھا۔

غیر مقلدین اور ان کا افراط و تفریط

اس طبقہ کے بالمقابل ایک طبقہ تھا جس کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ نہ تھی لیکن شمار میں وہ بھی کم نہ تھا اس طبقہ نے اعمال کا استناد و اعتماد احادیث پر اور وہ بھی ان کے ظواہر پر قرار دے رکھا تھا اور ہر کس و ناکس کو جو روایات دستیاب ہوں ان کی روشنی میں اپنی ذاتی رائے قائم کرکے عمل کا مجاز بنا رکھا تھا اور حضرات ائمہ اربعہ و دیگر مجتہدین کی آراء و اقوال کو لائق توجہ قرار دینا درکنار بسا اوقات ان کی اتباع و تقلید کو شرک و کفر سے تعبیر کرتا تھا یہ طبقہ حدیث پر عمل کی بابت افراط اور نصوص فقہیہ اور فقہاء اسلاف کے اقوال پر عمل کرنے میں تفریط کا شکار تھا۔

امام کی مساعی اصلاح کا سرسری جائزہ

حقیقی صورت حال کے سامنے آجانے پر امام موصوف نے جو مساعی انجام دیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ہر دو طبقات کے افراط وتفریط کے بیچ اور اسلاف کے مسلک کے مطابق ایک معتدل راہ پیش فرمائی، موصوف نے جہاں اندھی تقلید پر تنقید کی ہے وہیں ظاہر حدیث پر اکتفا اور وہ بھی ہر ایک کیلئے، انکی بھی مذمت فرمائی ہے، آپ نے صحیح وغلط سے آنکھ بند کر کے تقلید کرنے کو برا قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی اتباع حق کے جذبہ اور رعایت حدود کیساتھ تقلید کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اسے سراہا ہے اور پسندیدہ بتاتے ہوئے عامۃ الناس کے حق میں لازم قرار دیا ہے۔

آپ نے اپنی تصنیفات میں اجتہاد وتقلید کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عہد نبوی ودور صحابہ سے لے کر اپنے وقت تک کی تاریخ اجتہاد وتقلید کا پورا جائزہ پیش فرمایا ہے۔ اجتہاد وتقلید کی تعریف حضرات صحابہ اور ان کے اتباع کا طرز عمل، فقہ کی تدوین، مذاہب اربعہ کی ترویج اور پھر عمومی طور پر انہیں پر اعتماد وعمل، ان تمام امور کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ حضرات مجتہدین کے درمیان واقع اختلافات کے بنیادی اسباب کو واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں:

> ”شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعہ کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا۔ ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا اسے واضح فرمایا۔ بعضوں کو تو شاہ صاحب سے شکایت ہے کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کی ابتدا آپ سے ہوئی[1]“

حقیقت

اور ان تمام تنقیدی بیانات اور اصلاحی تحریرات کے ساتھ حقیقتاً امام موصوف

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۰۰۔

اپنی تمام تر اجتہادی صلاحیتوں اور علمی عظمت و پختگی کے باوجود اپنے بیانات وتصریح کے مطابق ملأ اعلیٰ کے اشارہ پر ''مقلد'' اور مقلدین میں طبقہ احناف سے متعلق تھے۔ حضرت کے یہاں اس امر کا اعتراف صراحتاً بھی پایا جاتا ہے اور اشارۃً بھی، جیسا کہ آئندہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ اور اکابر علماء و محققین نے جن کی نگاہوں میں حضرت موصوف کی تمام تحقیقات اور ان کے علم میں حضرت کی تمام تنقیدات تھیں۔ انہوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ اگر چہ بعض اہل قلم حضرات نے امام دہلوی کو بقول مولانا گیلانی ''غیر مقلدیت کا بانی قرار دیا ہے''[1] ہم ابتداء تو علماء و محققین کی آراء اور پھر حضرت امام کی عبارات کا ذکر کریں گے۔

امام کی عدم تقلید کی بابت آراء

پہلے چند چیزیں حضرت کے مسلک کی بابت ''عدم تقلید'' کے بیان میں ذکر کی جاتی ہیں:

اس سلسلہ کی ایک اہم چیز تو یہ ہے کہ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث نے عربی میں اپنی جماعت اور ممتاز علماء کے تعارف کی بابت جو مختصر رسالہ شائع کیا ہے اس میں ہندوستانی علماء میں سر فہرست امام موصوف اور ان کے صاحبزادگان اور اخص تلامذہ کا ذکر کیا ہے۔ اس تحریر کا جائزہ ان شاء اللہ کسی موقع سے لیا جائے گا۔

---

[1] اس موقع پر ایک لطیفہ قابل ذکر ہے جسے مولانا نعمانی صاحب نے الفرقان کے ولی اللہ نمبر میں اپنے مضمون کے ساتھ حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔ ''اس نمبر کی ترتیب کے درمیان ہی دہلی سے ایک صاحب کا خط میرے نام آیا جس میں انہوں نے اپنا پتہ بلکہ نام تک نہیں لکھا تھا کہ میں ان کو خط ہی سے جواب دے سکوں۔ اس خط میں مجھ سے باصرار شدید مطالبہ کیا گیا ہے کہ ''ولی اللہ نمبر'' میں صرف خدا سے ڈرتے ہوئے بے لاگ طور پر میں اس حقیقت کا اعلان کردوں کہ ہندوستان کی موجودہ ''جماعت اہل حدیث'' کے بانی و مؤسس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں اور آپ کا مسلک وہی ہے جو موجودہ اہل حدیث کا ہے'' (ص: ۳۰۰)۔

مصنف حیات ولی کی رائے

غالباً حضرت موصوف کے حالات زندگی میں پہلی مستقل تصنیف ''حیات ولی'' ہے جو اردو میں ہے اور دہلی کے ایک صاحب مولانا رحیم بخش صاحب کی تصنیف ہے جنکے فقہی مسلک کی تحقیق نہیں ہوسکی۔ لیکن اندازہ یہ ہے کہ جماعت اہل حدیث کے ہی رکن ہیں موصوف نے حضرت امام کے فقہی مسلک کے سلسلہ میں صریح لفظوں میں انہیں ''حنفی'' یا ''اہل حدیث'' نہیں قرار دیا ہے لیکن مقصود ان کا یہی ہے جیسا کہ ان کے بعض جملوں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت امام کے والد بزرگوار کا فقہی طریقہ

ابتداء گویا بطور تمہید امام کے والد بزرگوار مولانا عبدالرحیم صاحب دہلوی کے فقہی مسلک کو بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

''اکثر امور میں تو آپ حنفی مذہب ہی کے مطابق عمل کرتے اور حنفی فقہ کے مسائل پیش نظر رکھتے تھے لیکن بعض وہ مسئلے جنہیں حدیث نبوی یا وجدان کی رو سے دیگر مذاہب میں ترجیح حاصل ہے بغیر تردید و انکار عمل میں لاتے تھے[1]۔''

امام دہلوی کا مسلک

اس کے بعد حضرت امام کے مسلک کو بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

''تفریق مذاہب میں یہی حال بجنسہٖ شاہ ولی اللہ صاحب کا تھا آپ کو مذہبی تفریق کے خانہ برانداز جھگڑوں سے چنداں بحث نہ تھی، نہ ان مشہور مذاہب اربعہ میں کسی خاص مذہب کے پابند تھے کہ خواہ

---

[1] حیات ولی۔ ص: ۳۹۶۔

تحواہ اس کے مطابق عمل درآمد کریں۔ بلکہ تابرامکان مذاہب مشہورہ میں جمع کرتے اور اس مسئلہ پر عمل کرتے جسے تمام اہل مذاہب نے صحت کا تمغہ عنایت کیا ہے۔ لیکن جب مذاہب مشہورہ مختلفہ میں جمع کرنا متعذر اور ناممکن ہوتا تو آپ اس مذہب پر عمل کرتے جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی ہوتا اور صحیح حدیث کے موافق ہوتا[1]"

مصنف نے حضرت امام کے مسلک کی یہ تنقیح ان کے ایک مکتوب کی روشنی میں فرمائی ہے جو "کلمات طیب" میں شامل ہے۔

مولانا مسعود عالم ندوی کی رائے

مولانا موصوف ماضی قریب کے ایک صاحب علم وصاحب تحقیق سلفی (اہل حدیث) عالم تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے خصوصی استفادہ کیا تھا اور نوعمری سے ہی قلم اور "فن تاریخ" سے مناسبت رکھتے تھے۔ مولانا نے "تاریخ الدعوة الإسلامية في الهند" (ہندوستان میں اسلامی دعوت کی تاریخ) کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے جس میں اس حیثیت سے کہ ہندوستان میں اسلام کی نشرواشاعت کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہمارے حضرت امام ہیں اس لیے ان کا اور انکے سلسلہ کے علماء کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اور تعجب ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ مولانا موصوف نے ہی "الفرقان ولی اللہ نمبر" کے لیے وہ مضمون تحریر فرمایا ہے جس میں حضرت کی اس تحریر کا ذکر ہے، جس میں حضرت نے اپنے قلم سے اپنے آپ کو حنفی تحریر فرمایا ہے۔ نیز باوجود اس کے کہ مولانا ایک محقق ومنصف صاحب قلم ہیں چنانچہ حضرات دیوبند کے اکابر مولانا گنگوہیؒ اور مولانا نانوتویؒ کی بابت حنفیت کی نسبت سے بڑے باوقعت الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ پھر بھی حضرت امام کی اصلاحی مساعی کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے متعلق نہ صرف "صاحب

---

[1] حیات ولی۔ ص: ۴۹۱۔

حیات ولی" کی رائے والفاظ کی موافقت کی ہے بلکہ ذکر فرمایا ہے کہ حضرت کے خلف اکبر اور بعض اخص تلامذہ حضرت کے مسلک حق ومعتدل کو چھوڑ کر حنفیت پر عمل پیرا ہو گئے اور حضرت کے مسلک کے حقیقی علمبردار حضرت کے جواں سال وجواں حال پوتے اسمٰعیل شہیدؒ تھے اور انہوں نے ہی حضرت کے مسلک کو ترویج دی اور مسلک اہل حدیث کی امامت کا شرف حاصل کیا۔ فرماتے ہیں:

"ان الامام ولی الله كان محققا فی الفقه، لايتقيد بمذهب دون مذهب لكن نجله الكبير الشاه عبدالعزيز الدهلوی(ت: ۱۲۳۹ھ) كان يميل الى الحنفية ولم يكن على غرار ابيه فی التحقيق والاجتهاد فانقسمت تلامذة هذا البيت الكريم الى الحنفية البريئة عن البدع وأهل الحديث.

حينما ترى معظم تلامذة الشاه عبدالعزيز مائلين الى الحنفية تجد فيهم (حفيد) الامام ولی الله الدهلوی وابن شقيق الشاه عبدالعزيز- امام اهل الحديث فی الهند وحامل لوائهم فاتصلت الحنفية واهل الحديث كلهم بهذا البيت العلمی الكريم، كان هذه روحات واغصان تفرعت من هذه الشجرة الزكية التی اصلها ثابت وفرعها فی السماء".

"امام ولی اللہ دہلوی، فقہ میں محققین کا درجہ رکھتے ہیں کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے۔ لیکن حضرت کے خلف اکبر شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی م۱۲۳۹ھ حنفیت کی طرف مائل تھے اور وہ تحقیق واجتہاد میں اپنے والد بزرگوار کے مسلک ومسند پر برقرار نہیں رہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس گھرانہ کے تلامذہ دو بڑے طبقات میں

بٹ گئے ایک تو احناف لیکن یہ لوگ بدعات سے دور تھے، اور دوسرا
اہل حدیث۔ چنانچہ جہاں آپ کو شاہ عبدالعزیز صاحب کے اکثر
تلامذہ حنفیت پر گامزن ملیں گے وہیں آپ کو امام ولی اللہ (کے پوتے)
اور شاہ عبدالعزیز کے حقیقی بھتیجے ہندوستان میں اہل حدیث حضرات
کے مقتدا اور ان کے علمبردار بھی ملیں گے۔ حاصل یہ کہ اس علمی گھرانہ
پر طبقہ احناف اور طبقہ اہل حدیث دونوں ہی جمع ہو جاتے ہیں اور اس
گھرانے سے ان ہر دو کے تعلق کی نسبت کسی بڑے درخت کی پھیلی
ہوئی شاخوں اور اس سے پیدا ہونے والے درختوں کی مانند ہے [۱]۔''

مذکورہ آراء اور مولانا بنوریؒ

محققین اہل علم حضرت امام کے متعلق اس قسم کی آراء سے پورے طور
پر واقف رہے ہیں چنانچہ ان رایوں کے پیش نظر ہی مولانا بنوریؒ نے اپنے مقالہ
کے آغاز میں فرمایا تھا:

''ہند اور بیرون ہند کے مخالف تقلید حضرات نے حضرت شاہ ولی
اللہ کو بھی امام ابن حزم ظاہری، علامہ ابن القیم اور قاضی شوکانی کی
طرح عدم تقلید کے لیے ایک رکن رکین سمجھا بلکہ تقلید اور بالخصوص
حنفیت کا دشمن ظاہر کیا ہے [۲]۔''

ان حضرات کی رائے کی واقعی حیثیت

حضرت امام کے مسلک کی واقعی حیثیت کیا تھی آئندہ آپ کے سامنے اس
سلسلہ میں خود حضرت کے بیانات آنے والے ہیں اور انشاء اللہ اپنے مواقع پر

---

[۱] تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند، ص: ۱۹۰۔ لفظ (کے پوتے) بین القوسین میں اس لیے لکھا گیا ہے کہ کتاب میں
(حفید) کا لفظ چھپنے سے رہ گیا ہے۔

[۲] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۶۰۔

واضح کیا جائے گا کہ امام موصوف نے کس مسلک کی بنیاد ڈالی اور ان کے اتباع نے کس درجہ ان کی اتباع کی اور ان حضرات کی آراء کے جواب یا تائید کا اظہار اسی موقع پر پورے طور پر ہوسکے گا یہاں تو صرف یہ عرض کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ طبقۂ اہل حدیث کے مشہور اور صاحب نظر و فکر، عالم و محقق اور مصنف یعنی نواب مولانا سید صدیق حسن خاں صاحب جن کا وفور علم و تحقیق مسلم اور ان اصحاب آراء سے کہیں بڑھ کر ہے۔ انہوں نے اس رائے کی تردید کی ہے اور تحقی ہے، آئندہ آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت امام کی تقلید و حنفیت کی بابت آراء

اب حضرت امام کی تقلید و حنفیت کی بابت بعض اکابر اہل قلم کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

مولانا منظور احمد صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے ایک مضمون کے چند اقتباسات گذشتہ صفحات میں آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں مولانا نے آخر میں بیان فرمایا ہے:

"اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حنفی ہی تھے[۱]"

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

الفرقان کے ولی اللہ نمبر میں مختلف حضرات کے مضامین میں یہ بحث ہے من جملہ ان کے وقت کے مشہور محدث مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک

---

[۱] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۴۰۱۔

مضمون ہے جس میں مولانا موصوف نے مختلف انداز سے حضرت امام کی حنفیت کو ثابت کیا ہے خود امام موصوف کی عبارات کے اہم ٹکڑے جمع فرما کر اور چند مقدمات ذکر کر کے ان سے نتیجہ اخذ فرمایا ہے۔ یہاں مولانا کا فیصلہ پیش کیا جاتا ہے۔

اجتہاد وتقلید کی بابت ایک اہم اصول

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقدمہ بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

"اصولاً کسی امام صاحب مذہب کا متبع جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قائم کرے تو علماء امت کے نزدیک اس کے اس فعل کو اتباع وتقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا۔ تقریباً سب مذاہب کے علماء میں کثرت سے خاص خاص مسائل میں بہت سے اختیارات اپنے ائمہ کے خلاف ملتے ہیں[1]"

مولانا عبدالحی لکھنوی نے جو ماضی قریب کے ایک بلند پایہ حنفی محقق وعالم گزرے ہیں انہوں نے ایک موقع پر اس اصول کو ذرا کچھ اور وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"ان الحنفی لو ترك فی مسئلة مذهب امامه لقوة دليل خلافه لا يخرج به عن ربقة التقليد بل هو عين التقليد فی صورة ترك التقليد، الاترى الى ان عصام بن يوسف ترك مذهب ابی حنيفة فی عدم الرفع ومع ذلك هو معدود فی الحنفية، ويؤيده ماحكاه اصحاب الفتاوىٰ من اصحابنا من تقليد ابی يوسف يوما الشافعی فی طهارة القلتين"

"اگر کوئی حنفی کسی مسئلے میں اپنے امام کے قول کو محض اس وجہ سے ترک کر دے کہ وہ امام کے قول کے خلاف کسی دلیل کو قوی پاتا ہو تو اس

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر،ص:۳۶۱۔

کی وجہ سے وہ تقلید کے دائرے سے باہر نہ ہوگا بلکہ یہ تو عین تقلید ہے اس لیے کہ ائمہ مذاہب کا یہی حکم ہے کہ قوت دلیل کی صورت میں ہمارے قول کو نہ دیکھو) دیکھیے عصام بن یوسف نے رفع یدین کے سلسلہ میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو چھوڑ دیا تھا پھر بھی وہ احناف میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے ہمارے اصحاب میں سے بعض معتمد اہل فتاویٰ حضرات نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن پانی کی طہارت کے سلسلہ میں امام شافعی کے قول پر عمل کیا یعنی محض قلتین پر پاکی کا حکم لگایا۔[1]"

مشہور سلفی عالم و محقق مولانا صدیق حسن خاں صاحب نے بھی اس اصول کا ذکر کیا ہے، بلکہ ان لوگوں کے حق میں ذرا سخت انداز اختیار کرتے ہوئے جو اس قسم کے اختلافات کو تقلید کے منافی اور مذہب سے خروج قرار دیتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"قد ثبت فی محله ان الرجل العامل بظواهر الكتاب وواضحات السنة، أو بقول امام آخر غير امامه الذی يقلده لايخرج عن كونه متمذهبا بمذهب امامه، كما يعتقده جهلة المتفقهة ويتفوه به الفقهاء المتقشفة من اهل الزمان المحرومين من حلاوة الإيمان."

"اپنے موقع پر یہ بات ثابت ہے کہ ایک آدمی اگر کتاب وسنت کے ظواہر پر عمل کرتا ہے یا جس امام کی وہ (عامۃً) تقلید و پیروی کرتا ہے (کسی مسئلہ میں) اس کو چھوڑ کر دوسرے امام کی اتباع کرے تو اس کا یہ طرز عمل اسکے اپنے امام مذہب کا پیرو و متبع ہونے سے مانع نہیں ہوتا جیسا کہ بہت سے کم علم فقہاء خیال کرتے ہیں اور ہمارے زمانے کے ایمان کی حلاوت سے محروم متقشف (کھرے) فقہاء بکتے پھرتے ہیں۔[2]"

---

[1] الفوائد البہیۃ ص: ۱۵۰۔ [2] الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص: ۱۴۷۔

بلکہ خود حضرت امام نے فیوض الحرمین کے ایک مکاشفہ (جسکا ذکر انشاء اللہ آئندہ مقالہ میں تفصیل سے آیگا) کی وضاحت کرتے ہوئے فقہ حنفی کے علماء ثلثہ (حضرت امام صاحب وصاحبین) میں جس کا قول حدیث کے قریب ہو اس پر عمل، نیز محدثین فقہاء احناف احادیث کی روشنی میں جو آراء قائم کریں اس کے اختیار و عمل سب کو۔حنفیت یعنی تقلید میں داخل قرار دیا ہے[1]۔

مذکورہ اصول کی وضاحت

اس اصول کا حاصل یہ ہے کہ علماء جب کسی کی تقلید کرتے ہیں تو ان کا علم وتحقیق بہر حال ان کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اس سے کام لیتے رہتے ہیں عام علماء جو وفورِ علم اور کثرت معلومات نیز ان ذہنی صلاحیتوں سے بھی محروم ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر انسان کے اندر اجتہادی صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔ان کا تو مبلغ تحقیق ان کے مذہب کے اقوال اورانہیں کی ترجیحات ہوتی ہیں۔لیکن جو حضرات معلومات کا سمندر بھی اپنے سینے میں رکھتے ہیں اور ساتھ ہی اعلیٰ ذہن اور اجتہادی صلاحیتوں سے بھی مالامال ہوتے ہیں ان کا مطمحِ نظر صرف مذہب کے اقوال نہیں ہوتے بلکہ ان کے علم وفکر کی جولانی ورسائی ہمہ جہت ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ بسااوقات اپنے مقتدا مذہب کے علماء کی ہی نہیں بلکہ صاحب مذہب اوران کے اخص تلامذہ کی، اور بعض مرتبہ فروعات میں ہی نہیں بلکہ اصول میں بھی مخالفت کرتے ہیں اور بایں ہمہ وہ خود اور دوسرے اہل انصاف بھی ان کو مقلد ہی مانتے اور گردانتے ہیں۔امت میں ایسے افراد کی کسی مذہب کے علماء میں اور کسی دور وعلاقہ میں کمی نہیں رہی۔

تقلید مذاہب کے باوجود خلاف کرنے والے

اس سلسلہ میں سرِفہرست حضرات ائمہ اربعہ کے اخص تلامذہ کا نام لیا جاسکتا

---

[1] فیوض الحرمین، ص:۴۹-۴۸۔

ہے جن کو ہر دور میں اپنے اساتذہ کا پیرو وتبع اور ان کے مذاہب کی ترویج وتقویت کا باعث سمجھا گیا۔ حالانکہ انہوں نے اصول میں بھی اساتذہ کی مخالفت کی ہے۔ بعد کے علماء محققین میں بھی ایک بڑی جماعت اس قسم کے حضرات کی ہے جن کا تعلق ہر چہار مذہب سے ہے اور اصولاً یہ وہ حضرات ہیں جن کو حق تعالیٰ نے وفور علم ومعلومات کی بنا پر فن حدیث اور فقہ دونوں میں بصیرت اور امامت کا درجہ عنایت فرمایا، اپنی اس بصیرت اور علمی امامت کی بنا پر ان حضرات نے اختلاف کی مجال کی اور امت نے انکے اختلافات کو جائز قرار دیا اور بنظر استحسان دیکھا۔

پھر جب کہ خود ائمہ مذاہب کی طرف سے (دلائل کے سامنے آنے پر) اختلاف کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم منقول ہے[1]، تو ایسا کیوں نہ کرتے۔

مذاہب اربعہ کے مقلدین محققین

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں متعدد حضرات کے نام لیے ہیں بلکہ ایک فہرست شمار کر گئے ہیں فرماتے ہیں:

> "جب کہ قاضی اسمٰعیل، حافظ ابن عبدالبر، قاضی ابوبکر بن عربی، حافظ اصیلی، ابن رشد کبیر، مالکی ہو سکتے ہیں۔
>
> دار قطنی بیہقی، خطابی، ابوالمعالی، امام الحرمین، غزالی وابن عبدالسلام، ابن دقیق العید وغیرہ شافعی ہو سکتے ہیں اور علیٰ ہذا جب کہ ابن جوزی، ابن قدامہ، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ حنبلی ہو سکتے ہیں تو پھر اسی درجہ میں حضرت شاہ صاحب کو مقلد مذہب حنفی ماننے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے[2]"

---

[1] عقد الجید، ص: ۸۴و۸۵۔

[2] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۶۱۔

علماء احناف میں مقلدین محققین

اور ایسا نہیں کہ اس درجہ کے لوگ دوسرے ہی مذاہب میں ہوتے رہے اور طبقہ احناف میں اس کی صرف ایک مثال حضرت امام کی ہے، بلکہ علماء احناف میں بھی ہر دور میں اس درجہ ومرتبہ کے لوگ پائے جاتے رہے، مولانا بنوری صاحب نے اس قسم کے حضرات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اگر قدماء میں سے قاضی بکار، امام طحاوی، ابوبکر خصاف، ابوبکر جصاص، قاضی ابوزید دبوسی، شمس الائمہ سرخسی وغیرہ، اور متاخرین میں سے امیر کاتب اتقانی، علاء الدین ماردینی، ابن الہمام، ابن امیر الحاج، قاسم بن قطلوبغا وغیرہ مقلدین ابوحنیفہ ہو سکتے ہیں تو پھر شاہ صاحب کا انہیں کی طرح حنفی ہونا کیوں مستبعد ہے[1]۔"

مقلدین محققین کے بعض ہندی نظائر

اور الحمد للہ ہمارا ملک، جو کہ علم ودین کی خدمات میں دوسرے ممالک سے پیچھے نہیں رہا بلکہ بعض اعتبارات سے دوسرے بہت سے ممالک پر بھی فائق ہے یہاں بھی بعض ایسے علماء ومحققین ہوئے ہیں جو کہ اسی طبقہ وصف میں شمار کئے جانے کے لائق ہیں، اور یہ وہی حضرات ہیں جن کو فن حدیث سے بھی خصوصی مناسبت رہی ہے۔

چنانچہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اس سلسلہ کے بھی چند نام ذکر کئے ہیں، اور اتفاق سے وہ سب ایک ہی علاقہ یعنی سندھ کے ہیں، اسلئے کہ ایک زمانہ تک ہندوستان میں سندھ اور گجرات یہی دو علاقے فن حدیث کے درس وتدریس کے مراکز تھے، اگرچہ وفور علم اور اجتہادی صلاحیتوں میں یہ حضرات حضرت شاہ

---

[1] الفرقان نمبر، ایضا ص: ۳۶۱۔

صاحب کے ہم پلہ نہ تھے اور نہ ہی انکی یہ حیثیت مانی گئی، مولانا فرماتے ہیں:

"ہندوستان کے حنفی محدثین میں شیخ محمد عابد سندھی (صاحب مواھب اللطیفہ علی مسند ابی حنیفة و طوالع الانوار شرح الدر المختار وغیرہ) اور شیخ محمد ہاشم سندھی، شیخ عبدالغفور سندھی، شیخ محمد قاسم سندھی اور شیخ ابوالحسن سندھی ہیں[1]"

حضرت امام

حضرت امام کا تعلق بھی مولانا نے اسی طبقہ محققین سے قرار دیا ہے جو کسی امام کے مذہب و مسلک کو محض اتباعاً نہیں بلکہ اپنی علمی بصیرت کی بنیاد پر اختیار کرتے ہیں، اور اسی بصیرت کی بناء پر اپنے امام متبوع و مقتدا سے اختلافات بھی رکھتے ہیں۔ مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں:

"ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ میں صاحب فتح القدیر اور ان کے دو محقق شاگرد حافظ حدیث قاسم بن قطلوبغا اور محقق ابن امیر الحاج، جو تفقہ نفس کے ساتھ، تبحر حدیث، اطلاع رجال، فن جرح و تعدیل اور اصول فقہ وغیرہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں اور بہت سے فروعی مسائل میں اپنی اپنی خاص رائے رکھتے ہیں، اسی طبقہ میں حضرت شاہ صاحب کا شمار ہونا چاہیے۔

بعض مسائل میں ان حضرات کا حنفیہ سے خلاف کرنا جیسے مذہب حنفی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا، اور اسکے باوجود ان کو فقہاء حنفیہ میں ہی شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض مسائل و احکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس مذہب حنفی کے خلاف نہیں کہا جا سکتا[2]"

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۶۹۔

[2] ایضاً۔

مولانا عبیداللہ سندھی کا ارشاد

علماء دیوبند میں حضرت امام کی تالیفات سے سب سے زیادہ شغف رکھنے والے اوران کی تحقیقات سے سب سے زیادہ واقف، مولانا عبیداللہ صاحب سندھی تھے (جو کہ حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے اور نومسلم تھے) الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، میں ان کا بھی ایک مبسوط مقالہ ہے جس میں بالخصوص حضرت امام کی فقہ سے بحث فرمائی ہے، اس ضمن میں حضرت امام کے مسلک کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

> ''ہم شاہ صاحب کو حنفی اور شافعی ہر دو مذہبوں میں مجتہد منتسب مانتے ہیں جب وہ اپنے آپ کو مرکز اسلام حجاز میں تصور کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں سے کسی کو ترجیح دینا جائز سمجھتے ہیں اور جب وہ خود کو ہندوستان میں فرض کرتے ہیں تو اپنے والد کے طریقہ پر فقط فقہ حنفی کے مجتہد منتسب امام ہوتے ہیں[1]''

مولانا محسن تیمی ترہٹی

مولانا محسن بن یحییٰ ترہٹی، بہاری، دہلی کی دو متوازی درسگاہوں کے فیض یافتہ تھے، ایک تو درسگاہ ولی اللہی، کہ اس درسگاہ کے آخری باضابطہ استاذ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی (شاگرد رشید مولانا شاہ محمد اسحق صاحب) سے انہوں نے فقہ وحدیث میں اکتساب فیض کیا۔ دوسری دہلی کی معقولی درسگاہ جس کے روح رواں مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی (حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور مد مقابل) تھے، مولانا محسن صاحب نے ''الیانع الجنی فی مسانید

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۰۲، حضرت شاہ صاحب کے والد کا طریقہ کیا تھا؟ گذشتہ صفحات میں اس کو نقل کیا جاچکا ہے۔

عبد الغنی " کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں اپنے استاذ شاہ عبدالغنی صاحب کی اسانید کو جمع فرمایا ہے، اس میں ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"من لطائف هذا الاسناد انه اجتمع في ادلة اربعة- اخرهم ابو عبدالعزيز اشتركوا في اربع خصائل و ذلك أنهم دهلويون سكنًا، وانهم عمريون صلبية، وانهم صوفية اصحاب الزهد والورع، وأنهم حنفيون على ملهب النعمان ابي حنيفة وصاحبيه رضي الله عنهم فإن ابا عبدالعزيز وإن كان من افراد العلماء لكنه معدود منهم."

"اس سند کے لطائف میں سے یہ ہے کہ اس کے شروع میں چار ایسے افراد جمع ہو گئے ہیں[۱] جن میں سے آخری شاہ عبدالعزیز صاحب کے والد ماجد ہیں کہ یہ سب کے سب چار اوصاف میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

ایک تو یہ کہ چاروں دہلی کے رہنے والے ہیں، دوسرے یہ کہ چاروں نسباً فاروقی ہیں، تیسرے یہ کہ چاروں طبقہ صوفیہ سے اور اصحاب زہد و تقویٰ ہیں، اور چوتھے یہ کہ ہر چہار حنفی یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کے مذہب پر ہیں۔ اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے والد بزرگوار اگرچہ علماء یگانہ میں سے تھے لیکن مسلکاً احناف میں سے ہی تھے[۲]"

مذکورہ بالا آراء کی قدر و قیمت

گزشتہ صفحات میں جن چند حضرات کی آراء ذکر کی گئی ہیں ان میں سے ہر

[۱] چاروں حضرات نیچے سے اوپر حسب ذیل ہیں شاہ عبدالغنی، شاگرد شاہ اسحاق، شاگرد شاہ عبدالعزیز، شاگرد امام موصوف۔

[۲] الیانع الجنی علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص: ۱۰۔

ایک اپنی اپنی جگہ پر علم وتحقیق کا پہاڑ ہے، اور انکے معاصرین نے ہر موقع پر انکی آراء کو باوقعت نگاہوں سے دیکھا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کو حضرت امام کی ذات سے تعلق ومحبت اور ان کی تصنیفات وتحقیقات سے نہ صرف دلچسپی بلکہ پوری واقفیت رہی ہے، بالخصوص مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی حیات کے آخری چند سالوں میں نہ صرف ہندوپاک بلکہ عالم اسلام کے ممتاز محدثین میں سے تھے اور ''علماء دارالعلوم دیوبند'' اور ''علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ'' کے مخصوص طرز وانداز کے درس حدیث سے استفادہ کی وجہ سے وسیع النظر عالم تھے۔

اور آخر میں مولانا تیمی کی شہادت اور زیادہ قیمت رکھتی ہے اس لیے کہ وہ زمانہ کے اعتبار سے ان حضرات میں سب سے زیادہ حضرت امام کے قریب ہیں اور حضرت امام کے مدرسہ میں انہیں کی مسند تدریس کے سایہ میں رہ کر علم حدیث وفقہ کی تحصیل کی ہے اس لیے ان سے بہتر وباوقعت کس کی شہادت ہوسکتی ہے۔

محقق بھوپالی

اب تک جن حضرات کی آراء آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں وہ اگرچہ اصحاب علم وتحقیق ہی نہیں، بلکہ اصحاب ورع وتقویٰ بھی ہیں اس لیے اپنی رائے کے اظہار میں ان کی جانب سے خیانت کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا، پھر بھی چوں کہ مسلکا حنفی ہیں اس لیے موقع اتہام تو ہے ہی۔

اس کے بعد اب ایک ایسی شخصیت کی رائے پیش کرنا چاہتے ہیں جس کا مسلک فقہی ان حضرات کے مسلک کے برخلاف عدم تقلید اور عمل بر حدیث کا رہا ہے۔ اور اس انداز پر کہ اس کو طائفہ اہل حدیث میں مرجعیت وامامت کا شرف حاصل رہا ہے اور وہ فقہ اہل حدیث کی ترویج واشاعت کا ایک اہم داعی ومحرک رہا یعنی نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی، جن کے نام سے آج ہندو بیرون

ہند کے علمی حلقے بخوبی واقف ہیں اس لیے کہ ان کی بے شمار مصنفات شائع ہوکر عام ہوچکی ہیں اور عرب ممالک میں بھی پہنچ چکی ہیں، مولانا مسعود عالم صاحب ندوی جو کہ خود بھی اس جماعت ومسلک سے تعلق رکھتے تھے نواب صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"وفی انتشار مذهب اهل الحدیث ید عظیمة للعالم الشهیر السید صدیق حسن القنوجی البخاری (م: ۱۳۰۷ھ)"

"اہل حدیث حضرات کے مسلک ومذہب کی ترویج واشاعت میں مشہور عالم سید صدیق حسن صاحب قنوجی بخاری، م ۱۳۰۷ھ کا بڑا ہاتھ رہا ہے[۱]"

لیکن نواب صاحب معتدل اور انصاف پسند تھے اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اکابر علماء ومحققین کے حالات میں متعدد کتابیں تحریر فرمائی ہیں، اور ان میں ان اکابر کے متعلق (جن کی بابت اہل حدیث حضرات اپنی جماعت کا فرد وپیشوا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) کسی نہ کسی فقہی مسلک سے انتساب کا ذکر کیا ہے، محض اس اصل کی بنیاد پر جسے آپ مولانا بنوریؒ صاحب کی تمہید کے ساتھ ملاحظہ فرماچکے ہیں اسی کی بنیاد پر نواب صاحب نے علامہ ابن تیمیہ وعلامہ ابن قیم دونوں کو حنبلی المسلک اور اکابر علماء حنابلہ میں سے قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

"وهما اماما ن عالمان عاملان ثقتان ثبت من افضل علماء الحنابلة".

"یہ دونوں حضرات بڑے مقتدا، عالم وعامل، ثقہ ومتقی، اور حنابلہ کے افاضل علماء میں سے تھے[۲]"

---

[۱] تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند، ص: ۱۹۱۔

[۲] الحطۃ فی ذکر اصحاح الستہ، ص: ۲۰۷۔

اور اسی کی روشنی میں شاہ اسمٰعیل شہید کو بھی حنفیت پر گامزن اور امام دہلوی کے طریق پر بتایا ہے[1]۔

اور اسی کتاب میں جس میں ان حضرات کا ذکر ہے یعنی ''الحطة فی ذکر الصحاح الستة'' حضرت امام اور ان کی اولاد و امجاد کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے مسلک کے متعلق اپنا فیصلہ ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ابتداءً تو فرماتے ہیں:

''الناس الیوم قدغلوا فی امرھم وتفوھوا فی شانھم بما لایلیق بھم''.

''لوگوں نے ان حضرات کے معاملہ میں بہت غلو کر رکھا ہے اور ان کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے حق میں مناسب نہیں''

اس کے بعد یہ فرما کر:

''ہم ان کے طرز عمل وطریق کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں جس سے حقیقت واقعہ پورے طور پر واضح ہو جائے گی''

حضرت امام کے مسلک کو بایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں:

''ان الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی قد بنی طریقتہ علی عرض المجتھدات علی السنة والکتاب وتطبیق الفقھیات بھما فی کل باب، وقبول مایوافقھما من ذلك ورد مالا یوافقھما کائنا ما کان ومن کان. وھذا ھو الحق الذی لامحیص عنہ ولامصیر الا الیہ''.

''امام ولی اللہ دہلوی نے فقہیات کے باب میں اپنا طریقہ یہ رکھا ہے کہ وہ اجتہادی مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرتے ہیں، اور ہر باب ومسئلہ میں انہیں دونوں سے تطبیق وموافقت تلاش کرتے ہیں پھر جو ان کے موافق ہو اسے اختیار فرماتے ہیں اور جو موافق نہ ہو اسے ترک

[1] ایضاً، ص: ۱۷۔

فرمادیتے ہیں، خواہ کوئی مسئلہ ہو اور کسی بھی مجتہد و مستنبط سے منقول ہو۔
یہ ہی حق وصواب ہے جس سے عدول واعراض کی کوئی گنجائش
نہیں اور اس کا قائل ہونا ضروری ہے"۔
اس کے بعد کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:
"وطریقه هذا کله مذهب حنفی..."
"امام موصوف کا یہ طریقہ پورے طور پر مذہب حنفی پر ہی عمل
ہے[1]..."

تنبیہ

ایک امر یہاں یہ ذہن نشیں کرلیا جائے کہ مقالہ ہذا کی بابت ذکر کیا گیا تھا کہ اس میں یہ تحقیق کرنی مقصود ہے کہ امام دہلوی مجتہد تھے یا مقلد اور گذشتہ نقول وارشادات میں ان کی حنفیت کا تذکرہ ہے، جس کا اثبات دوسرے مقالہ کا عنوان وموضوع ہے۔

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تصریحات سے پہلے مقالہ کے مدعا کا ہی اثبات مقصود ہے، اس لیے کہ حنفیت کا مطلب کسی ایک مذہب کی پابندی ہے اور یہی تقلید ہے، جس کا اثبات اس مقالہ کا مقصد وموضوع ہے۔

حضرت امام کی تصریحات

گذشتہ صفحات میں اکابر اہل علم کی آراء وفیصلوں کو ذکر کیا گیا ہے جن کی بنیاد حضرت امام کی تصریحات وتحقیقات ہیں۔ اب وہ تصریحات اور حضرت امام کی تحقیقات کے ضروری اقتباسات ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ ناظرین خود بھی کوئی فیصلہ کرسکیں اور جن حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو مقلد اور حنفی ثابت کیا ہے

[1] الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ، ص: ۱۷۔

ان کی رائے کی حقیقت واضح ہو سکے۔

امام دہلویؒ کے فقہی مسلک پر جن حضرات نے گفتگو فرمائی ہے وہ انہیں تصریحات کا سہارا لیتے ہیں البتہ ہر ایک کے لیے اس سلسلہ کے تمام اہم اقتباسات کا ذکر واحاطہ دشوار ہوتا ہے، اس لیے اکثر حضرات نے دو چار اہم، اور ان کے مقصد کے لیے مفید تصریحات کا سہارا لیا ہے، اس سلسلہ میں دو حضرات نے خاص طور سے اکثر اہم چیزوں کو جمع کر دیا ہے مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا محمد صاحب جالندھری، دونوں کے مضامین الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر میں شامل ہیں۔

مولانا بنوری نے ان تصریحات کے ذکر کے بعد ہی پوری قوت کے ساتھ اپنے مدعا کو ثابت فرمایا ہے، جس کا کچھ حصہ آپ ملاحظہ بھی فرما چکے ہیں اور کچھ انشاء اللہ آئندہ آپ کے سامنے آئے گا۔ بہر حال اب حضرت امام کی تحقیقات عالیہ ملاحظہ ہوں۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

مذاہب اربعہ کا علی وجہ البصیرہ علم

حضرت امام نے اپنی بعض تحریرات میں وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ ان کو مذاہب اربعہ کا علم علی وجہ البصیرۃ حاصل ہے، بایں معنی کہ ہر چہار مذہب کی فروعات کو مع ان کے مآخذ ودلائل اور اجتہادی علتوں کے جان لیا ہے، نیز یہ کہ بخوبی اس امر کو بھی سمجھ لیا ہے کہ کسی مذہب اور کسی قول کو اصل شریعت محمدیہ سے کیا تعلق ونسبت ہے، چنانچہ تفہیمات میں اولاً تو یہ فرماتے ہیں:

> ''دین کا مختلف حصوں اور شعبوں میں ہونا، نیز امت کا متعدد جماعتوں میں ہونا، ایک اہم معاملہ ہے جس نے عوام وخواص سبھی کو پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے''

احکام شریعت کے سمجھنے میں علماء کے تین طبقے

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''جہاں تک سوال ہے اصل حقیقت سے واقفیت کا تو اس بابت علماء کے تین طبقے ہیں۔

اوّل وہ طبقہ و جماعت جس پر اصل راہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرما کر دنیا میں قائم ورائج فرمایا ہے، وہ راہ تو اس پر منکشف نہیں کی گئی لیکن احکام کے اصل سرچشمہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا سے ہر ہر مجتہد وفقیہ کے قول کے تعلق کو سمجھنا اس پر کھولا گیا ہے۔

دوسرا وہ طبقہ و جماعت ہے جسکے لیے اصل راہ منکشف ہوئی ہے جو اس کو ظاہر شریعت تک پہنچانے میں معین ہوتی ہے اور جو بطور وراثت عامۃ المسلمین کو حضرات تابعین سے اور ان کو کبار صحابہ کے واسطے سے حضور ﷺ سے حاصل ہوئی ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جس پر ہر دو امر منکشف ہوتے ہیں اور وہ سب کو تسلیم کر کے دائرۂ شرع سے قرار دیتا ہے اور ہر ایک کے اختیار کرنے والے کے لیے گنجائش کو ذکر کرتا ہے''۔

ہر سہ طبقات کی عملی روش

چوں کہ یہ تینوں طبقات حقیقت کے علم میں مختلف ہوتے ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک کی عملی روش بھی ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہوتی ہے حضرت امام فرماتے ہیں:

''پہلے طبقہ کی عملی روش یہ ہوتی ہے کہ مختلف اقوال میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے سکوت کرتا ہے اور وہ اختلاف اقوال

کو رخصت وعزیمت پر محمول کرتا ہے (یعنی ان اقوال کو باہم مختلف نہیں قرار دیتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ الگ الگ حالات سے ان کا تعلق ہے)۔

دوسرے طبقہ کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف اقوال کے درمیان ترجیح کو اختیار کرتا ہے اور اس ترجیح کو دین کی نصرت اور دین کی جانب سے مدافعت قرار دیتا ہے۔

اکثر فقہاء محدثین کا یہی طریقہ رہا ہے اور انہوں نے اپنے اس طرز عمل میں انتہائی جدوجہد اور کوششوں سے کام لیا ہے۔

تیسرے طبقہ کا طریق عمل اس کے احوال سے ظاہر ہے کہ وہ سب کو دائرہ شرع میں مانتے ہوئے سب پر عمل کی گنجائش رکھتا ہے''۔

حضرت امام کا تعلق کس طبقہ سے؟

اب رہی یہ بات کہ خود حضرت امام جنہوں نے تنقیح فرما کر یہ تینوں طبقات ذکر فرمائے ہیں ان کا شمار کس طبقہ میں ہے؟ تو حضرت موصوف نے مذکورہ بالا تفصیل وتمہید کے بعد تحریر فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا کرم واحسان ہے کہ اس نے مجھ کو تیسرے طبقہ میں بنایا ہے، میرے اوپر اصل شریعت کو منکشف فرمایا پھر اصل شریعت کی جو توضیح زبان نبوی سے ہوئی اس کو منکشف فرمایا۔ پھر اس مبارک توضیح کی جو توضیحات وتشریحات حضرات صحابہ کی زبانوں سے صادر ہوئیں اس سب کو مجھ پر کھولا۔

نیز مجھ پر (بذات خود) اصل شریعت کے ایضاح اور شریعت کے اصول وفروغ کی تدوین جو کہ حضرات متقدمین ومجتہدین کے ذریعہ انجام پائی اس کو بھی منکشف فرمایا۔ پھر ان حضرات کے مذاہب واقوال اور ان کے مرتب کردہ اصول وقواعد پر کی جانے والی تخریجات، جن کا

سہرا قدماء متاخرین کے سروں پر ہے ان کو بھی مجھ پر منکشف فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ مجھ پر تمام امور کو ان کی واقعی ترتیب کی رعایت کے ساتھ منکشف وواضح فرمایا۔

......عالم بالا کے اس انکشاف کا نتیجہ یہ ہے کہ میں نے دین کے ہر قول کو اصل شریعت کے ساتھ کیا تعلق وارتباط ہے اس کو پالیا اور سمجھ لیا ہے خواہ یہ تعلق وارتباط بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ[1]"

دوسرے موقع پر اسی امر کو ذرا اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

"مجھ پر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے میرے لیے تمام مذاہب کی حقیقت کو منکشف کردیا ہے[2]"

اپنی معرکۃ الآراء کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اجتہاد وتقلید کے موضوع پر ایک درجہ مفصل گفتگو کرنے کے بعد یہ فرماتے ہوئے کہ "میں نے اس بحث میں اتنا طول کردیا ہے کہ کتاب کے اصل موضوع سے باہر ہوگیا"۔ اس طول واطناب کے دو اسباب ذکر فرمائے ہیں جن میں سے ایک مذکورہ بالا تصریح کی ہی صراحت وتائید ہے، فرماتے ہیں:

"ان الله تعالى جعل فى قلبي- وقتا من الأوقات- ميزانا أعرف به سبب كل اختلاف فى الملة المحمدية على صاحبها الصلاة والسلام، وما هو الحق عندالله وعندرسوله ومكنني من أن اثبت ذلك بالدلائل العقلية والنقلية بحيث لايبقى فيه شبهة ولا إشكال".

"اللہ تعالیٰ نے ایک وقت میں میرے دل پر علم وادراک کا ایسا راستہ کھولا کہ اس کی بدولت میں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیٰ صاحبہا کے درمیان واقع ہر اختلاف کے سبب کو جان اور سمجھ لیا، اور یہ بھی کہ اللہ اور

---

[1] تفہیمات الٰہیہ، ج:۱، ص:۱۴۸، ۱۴۹ ملخصاً۔

[2] ایضاً ص:۱۵۲۔

اسکے رسول ﷺ کے نزدیک حق کیا ہے؟ اور مجھ کو یہ قدرت وصلاحیت
عطا فرمائی کہ میں ان تمام اختلافات کو دلائل عقلیہ ونقلیہ کی روشنی میں
اس طور پر بیان کردوں کہ کوئی شبہ واشکال باقی نہ رہ جائے[1]"

امت کے اختلافات اور مذاہب اربعہ

ظاہر ہے کہ امت کے اختلافات میں سے ایک شعبہ مذاہب اربعہ کے بہت سے مسائل کا باہمی اختلاف بھی ہے، اور جب حضرت موصوف پر امت کے جملہ اختلافات کھولے گئے ہیں تو لامحالہ مذاہب اربعہ میں ہی کیا انحصار، جملہ فقہی مذاہب کا علم آپ کو علی وجہ البصیرۃ حاصل ہوا، چنانچہ مولانا محسن تیمی ۔"الیانع الجنی" کے اندر حضرت امام کے کمالات واوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومنها علوم الفقه على مذاهب الأئمة الأربعه واصحابهم
وما اتصل بذلك من مذاهب الصحابة والتابعين"۔

"منجملہ آپ کے کمالات کے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو ائمہ اربعہ، ان
کے اصحاب نیز حضرات صحابہ اور تابعین کے فقہی مذاہب کا پورا پورا علم تھا[2]"

اور خود حضرت موصوف نے بعض مواقع پر اپنے طریق عمل کی جو وضاحت کی ہے اس سے پورے طور پر آپکے اس وسیع علم کا اندازہ ہوتا ہے جیسا کہ مصنف حیات ولی نے ذکر کیا ہے اور حضرت موصوف نے اپنے ایک مکتوب میں بھی فرمایا ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا انشاء اللہ - باقی یہ کہ اس انکشاف علمی کے بعد اسکے ساتھ حضرت شاہ صاحب کا طریقہ کیا تھا اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

اختلافات کے چار مراحل ومراتب

حضرت شاہ صاحب نے "تفہیمات" میں ہی ایک موقع پر امت میں پائے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۶۱۔ [2] الیانع الجنی، ص:۸۳۔

جانے والے اختلافات کے چار مراحل ومراتب ذکر فرمائے ہیں:

"وکشف لی ان الاختلاف علی اربعة منازل:

۱-اختلاف مردود لیس لقائله ولا لمقلده من بعده عذر.

۲-واختلاف مردود ولقائله عذر مالم یبلغه حدیث صحیح دالة علی خلافه فإذا بلغه فلا عذر له.

۳-واختلاف مقبول قدخیر الشارع المکلفین فی طرفیه تخیراً ظاهرًا مطلقا کالاحرف السبعة من القرآن.

٤-واختلاف ادرکنا کون طرفیه مقبولین اجتهادًا واستنباطًا من بعض کلام الشارع صلوات الله علیه والإنسان مکلف به لامطلقا بلا بشرط الاجتهاد وتأکد الظن وتقلید من حصل له ذلك.

"اول: اختلاف مردود، اس اختلاف کے قائلین اور اس کے بانی نیز اس کے پیروکسی کے لیے کوئی عذر مسموع ومقبول نہیں۔

دوم: اختلاف قابل عذر، لیکن صرف اس وقت تک جب تک کہ اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث نہ مل جائے (صحیح حدیث کے سامنے آجانے پر یہ اختلاف بھی لائق عذر باقی نہ رہ جائے گا)

سوم: اختلاف مقبول، یہ ان مواقع میں ہوتا ہے جہاں کسی امر سے متعلق دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پر عمل کا اختیار خود شارع نے مکلفین کو دے رکھا ہے۔ اس میں کوئی قید وتفصیل نہیں ہے جیسے کہ قرآن مجید کو سات طریقوں میں پڑھنے کی اجازت (جو ابتداء تھی بعد میں منسوخ ہوگئی)

چہارم: وہ اختلاف جس کے مقبول ہونے کا علم ہم کو از روئے اجتہاد شارع علیہ السلام کے بعض کلام کی مدد سے ہوتا ہے، انسان اس پر عمل کا مکلّف ومامور ہے لیکن اس میں بھی بالکلیہ آزادی نہیں (کہ جس کا جی

چاہے جہاں چاہے اختلاف کرے اور پھر اختلاف پر عمل کرے) بلکہ
اس پر عمل کے جواز کے لیے دو شرطیں ہیں، اوّل اجتہاد اور ظن کا مؤکد
ہونا، دوم جس شخص کو اجتہاد اور تاکد ظن حاصل ہے، اسکی تقلید[1]"

حاصل یہ کہ اختلاف کے چار درجے ہوئے، ① اختلاف مردود، ② اختلاف قابل عذر ③ اختلاف مقبول ④ اختلاف جائز۔

اجتہاد و تقلید کا تعلق کس درجہ سے ہے

اس کے بعد حضرت امام نے یہ بحث کرتے ہوئے کہ اجتہاد و تقلید اور بالخصوص ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تقلید اختلاف کے کس مرحلہ میں داخل ہے، اس کی وضاحت کی ہے اور اس سے پہلے اختلاف اوّل کی بابت فرمایا ہے۔

"اختلاف کی قسم اوّل تو حق یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے اتباع میں
شاید و باید ہی پائی جاتی ہے۔ البتہ چوتھی صورت عموماً پائی جاتی ہے"۔

فرماتے ہیں:

"اس موقع پر (یعنی اختلاف کی چوتھی صورت کے تحت) جو لوگ
شارع کے احکام پر عمل کرنا چاہتے ہیں انکے لیے دو صورتوں میں سے
ایک کا اختیار کرنا ناگزیر ہے اور یہ دونوں صورتیں الگ الگ افراد کے
اعتبار سے ہیں۔ ایسے افراد جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت و شروط پائی
جاتی ہوں (شروط کا ذکر اسلئے کیا گیا کہ اجتہاد کا جواز بالاتفاق چند شرائط
کیساتھ مقید ہے) وہ اجتہاد کریں اور کسی ایک پہلو کے متعلق گمان غالب
اور تاکد ظن حاصل کر کے خاص اس پہلو پر عمل کریں۔

اور جو افراد اجتہاد کے شرعاً اہل نہیں ہیں وہ قسم اوّل کے (یعنی
اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے) افراد کی اتباع و تقلید کریں[2]"

---

[1] تفہیمات، ج:۱، ص:۱۵۳۔ [2] ماخوذ از تفہیمات، ج:۱، ص:۱۵۳۔

حضرت شاہ صاحب نے بعض دوسرے مواقع پر بھی اس کا ذکر کیا ہے مثلاً اپنے رسالہ ''عقد الجید'' میں ایک موقع پر شرائط اجتہاد کے مفقود ہونے کی صورت میں امام بغوی سے نقل فرمایا ہے:

"واذا لم يعرف نوعا من هذه الانواع فسبيله التقليد وان كان متبحرا فى مذهب واحد من أحاد ائمة السلف".

''اگر کسی شخص کو علوم کی ان اقسام میں سے ایک قسم کا بھی علم نہ ہو تو اس کے لیے تقلید ہی چارہ ہے اگر چہ حضرات سلف میں سے کسی ایک کے مذہب کا تبحر (یعنی اس کے جملہ اصول و فروع کا حافظ وحاوی) کیوں نہ ہو''

کچھ آگے چل کر بغوی کے ہی الفاظ ہیں:

"ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليده فيما يعن له من الحوادث".

''جو شخص ان شرائط کا جامع نہ ہو اس پر پیش آمدہ حالات میں تقلید لازم ہے[1]''

عمومی تقلید کا اثبات

حضرت امام نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ دین کا علم ہر مابعد کے طبقہ کو اپنے ماقبل کے طبقہ کے علماء پر اعتماد و تقلید سے حاصل ہوا ہے، اس لیے کہ جو لوگ حضرت شارع علیہ السلام کی صحبت سے محروم ہیں ان کے لیے دین کے حصول کا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہیں ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز بلکہ لزوم و استحسان پر دلائل قائم کرتے ہوئے ''عقد الجید'' میں فرمایا ہے:

---

[1] عقد الجید، ص: ۷،۸۔

"ان الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف فى معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فى ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا فى كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك".

''پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس نے شریعت کو جاننے اور اس کا علم حاصل کرنے میں حضرات اسلاف پر اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ حضرات تابعین نے حضرات صحابہ پر اس باب میں اعتماد کیا اور تبع تابعین نے حضرات تابعین پر اعتماد کیا ہے، اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے پیش رو علماء پر اعتماد کیا ہے۔ اور عقل بھی اسی (اعتماد) کی تحسین کرتی ہے[1]''

حضرت امام نے اس عبارت میں جس ''اعتماد'' کا ذکر فرمایا ہے اس کی حقیقت تقلید کے علاوہ کچھ نہیں، البتہ یہ ایک عام تقلید ہے اور دین کے ہر باب میں مطلوب ہے۔

اسکے بعد دور تک حضرت امام نے اسکی وضاحت فرمائی ہے اور اسکے ضروری ہونے پر دلائل قائم فرمائے ہیں، بالخصوص فقہی مسائل کی بابت تو یہ بہت ضروری سمجھا گیا ہے، چنانچہ حضرت امام نے ''حجۃ اللہ'' میں تدوین حدیث وفقہ وغیرہ کے موضوعات پر روشنی ڈالتے ہوئے ''علماء کوفہ'' کے طریق کا تعارف یوں کرایا ہے:

"وذلك انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار مايقدرون به على استنباط الفقه على الاصول التى اختارها اهل الحديث، ولم تنشرح صدورهم للنظر فى اقوال علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم فى ذلك وكانوا اعتقدوا فى ائمتهم انهم فى الدرجة العلياء من التحقيق وكان قلوبهم أميل شيئ الى

[1] عقد الجید، ص:۳۶۔

اصحابهم كما قال علقمة: هل أحد منهم أثبت من عبدالله
وقال ابو حنيفة: ابراهيم افقه من سالم، ولو لا فضل
الصحبة لقلت علقمة افقه من ابن عمر".

"(چوں کہ یہ حضرات براہِ راست حضور ﷺ کی طرف نسبت
کر کے کسی چیز کی نقل سے محض اس وجہ سے بچتے تھے کہ کہیں نسبت غلط نہ
ہو جائے اور اس طریق فکر کے اصل قائد حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت ابن
مسعود رضی اللہ عنہ تھے) اس لیے علماء کوفہ کے پاس احادیث و آثار کا اتنا ذخیرہ
نہیں تھا کہ علماء حدیث (یعنی حجاز وغیرہ کے فقہاء و مجتہدین) نے جو
اصول، استنباط احکام کے اختیار کیے تھے انکے مطابق مسائل کا استنباط
واستخراج کر سکیں۔ اور دوسرے علاقہ کے اہل علم کے اقوال کے جمع اور ان
پر نظر و بحث میں بھی انہیں انشراح نہ تھا، خود اپنے متعلق بھی اطمینان نہیں
تھا، اور یہ لوگ اپنے اساتذہ و ائمہ کے متعلق یہ یقین و اطمینان رکھتے تھے
کہ وہ تحقیق کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں بلکہ یہ کہ کوئی جماعت بھی ان سے
زیادہ اپنے اکابر کی بابت حسن اعتقاد نہیں رکھتی تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک
موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مایہ ناز شاگرد علقمہ نے فرمایا
تھا: کیا ان (علماء حجاز) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ لائق اعتماد
کوئی ہے؟ اور حضرت امام ابوحنیفہ نے ایک مسئلہ کی تحقیق کے وقت
فرمایا تھا "ابراہیم نخعی، سالم (ابن عبداللہ بن عمر) سے زیادہ فقاہت رکھتے
ہیں اور اگر (حضور ﷺ کی) صحبت کی فضیلت کا معاملہ نہ ہوتو میں کہتا
کہ علقمہ کی فقاہت ابن عمر سے بڑھ کر ہے[1]۔"

مجتہد کے لیے بھی تقلید لازم ہے

مزید تاکید کے لیے ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت امام نے ایک اور موقع پر

---
[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۵۲۔

شرائط اجتہاد کے بیان میں امام بغوی سے ایک شرط یہ بھی نقل فرمائی ہے:

"ویعرف اقاویل الصحابة والتابعین فی الاحکام ومعظم فتاوی فقهاء الامة حتی لایقع حکمه مخالفا لاقوالهم فیکون فیه خرق الاجماع".

"احکام کے باب میں حضرات صحابہ وتابعین کے اقوال نیز گذشتہ علماء امت کے فتاویٰ کے ایک بڑے حصہ سے واقف ہو، تاکہ اپنے اجتہاد کی بناپر کیا ہوا اس کا فیصلہ ان حضرات کے اقوال کے خلاف نہ ہو کہ جس کی بناپر خرق اجماع (یعنی اجماع کی مخالفت) لازم آئے[۱]"

معلوم ہوا کہ مجتہد کے لیے بھی اسلاف کے اقوال کی رعایت لازمی ہے ورنہ اس کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ یہ رعایت وپابندی تقلید ہی تو ہے اگرچہ کسی ایک فرد کی نہ ہو، خود حضرت امام نے ایک موقع پر اس کی وضاحت اپنے الفاظ میں یوں فرمائی ہے:

"فاذا رفع الیه قضیة فله ان یجتهدفیها برأیة ویتحری الصواب فان کان قد سبق فیها حکم لجماعة فعلیه ان لایجاوزه وهی القیاس والاجماع".

"جب مجتہد کے سامنے کوئی معاملہ لایا جائے تو اس کو اپنی رائے سے اس میں اجتہاد کرنے کا حق ہے، لیکن اس میں "صواب" کا قصد کرے گا اور اگر اس سے پیشتر اس قسم کا کوئی قضیہ ومعاملہ پیش آچکا ہے اور اس کی بابت حضرات اسلاف سے کوئی فیصلہ منقول ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس فیصلہ سے تجاوز نہ کرے کہ یہی قیاس اور اجماع ہے[۲]"

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"اگر تمہاری عقلیں اس کو حل کرنے سے عاجز ہوں، تو جو علماء

---

[۱] عقد الجید، ص: ۷۰۔

[۲] تفہیمات، ج: ۲، ص: ۱۱۸۔

گذر چکے ہیں ان کی آراء سے مدد لو اور اسے اختیار کرو جسے تم حق صریح اور سنت کے سب سے زیادہ موافق سمجھو۔[۱]"

تقلید شخصی وغیر شخصی کا امتیاز

اسلام کے ابتدائی عہد اور قرون اولیٰ تک میں یہ اعتماد وتقلید عامۂ رائج تھا اور یہ اصل تقلید موجود تھی جس میں محض کسی ایک فرد پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا البتہ جماعت کی رعایت وتقلید ضرور کی جاتی تھی، اور عوام بھی حسب موقع جو عالم سامنے آتا اس سے معلوم کر کے عمل کرتے۔ حتیٰ کہ مذاہب اربعہ کا ظہور ہوا، ان کی اشاعت وترویج ہوئی، لوگوں کو ان سے دلچسپی اور پھر ان کی تقلید کا کچھ رواج ہوا، تو یہ اصل تقلید جو کہ خالص شرعی تقلید اور شارع علیہ السلام کی جانب سے مامور بہ تھی، یہ دو حصوں میں ہو گئی، شخصی اور غیر شخصی۔

تقلید شخصی کا حاصل یہ ہے کہ کسی ایک فرد کے مجتہدات، اقوال وخیالات پر کلی یا اکثری طور پر اعتماد کر لیا جائے، یہ اعتماد کبھی اصول وفروع دونوں میں کلی ہوتا ہے اور کبھی دونوں میں اکثری۔

اور تقلید غیر شخصی کا حاصل یہ ہے کہ کسی ایک فرد کے مجتہدات پر کلی یا اکثری اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ حالات کے پیش آنے پر حسب موقع جو صاحب علم مجتہد سامنے آجائے اس سے مسئلہ پوچھ کر اس کے قول پر عمل کر لیا جائے۔

دوسری صدی ہجری تک اسی تقلید غیر شخصی کا رواج تھا، حضرات صحابہ وتابعین اور تبع تابعین سب میں یہ رائج تھی، چنانچہ حضرت امام نے "عقد الجید" "الانصاف" اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

---

[۱] ایضاً، ج:۱، ص:۲۱۵۔

"ان الناس لم يزالوا من زمن الصحابة رضى الله عنهم الى أن ظهرت المذاهب الأربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير نكير من احد يعتبر انكاره ولو كان ذلك باطلا لأنكروه".

"مذاہب اربعہ کے ظہور سے پہلے حضرات صحابہ کے زمانے سے تمام لوگ یہ کرتے رہے کہ بر موقع جو صاحب علم مل جاتا، اسی کی تقلید کرلیا کرتے تھے اور اس پر کوئی نکیر و انکار نہ ہوتا۔ اگر یہ غلط ہوتا تو قرونِ اولیٰ کے لوگ اس کا انکار کرتے اور اس کو برا سمجھتے[1]"

حضرات صحابہ وتابعین میں تقلید شخصی

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرون اولیٰ میں تقلید شخصی کا کسی درجہ میں وجود ہی نہیں تھا بلکہ بات یہ تھی کہ رواج کم تھا، علامہ ابن القیم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی مکمل تقلید فرماتے تھے، اور کسی مسئلہ میں ان سے اختلاف نہیں کرتے تھے، اور اگر کسی مسئلہ میں ان کا قول اپنی رائے کے مخالف پاتے تو رجوع فرمالیتے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فجر کے قنوت اور جنبی کے لیے تیمم سے انکار فرمایا ہے[2]۔

نیز حضرت ابراہیم نخعی کے متعلق منقول ہے کہ جو مسائل حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے درمیان متفق علیہ ہوتے ان کو وہ بلا کسی تردد کے اختیار کرلیتے تھے اور جن میں اختلاف ہوتا ان میں حضرت ابن مسعودؓ کی اتباع کرتے تھے، اس لیے کہ ان کا قول مقامی حالات کے زیادہ موافق ہوتا تھا[3]۔

---

[1] عقد الجید، ص:۳۳۔

[2] اعلام الموقعین، ج:۱، ص:۲۰۔

[3] اعلام الموقعین، ج:۱، ص:۱۷۔

خود حضرت امام نے بھی اس سلسلہ کی چند چیزیں نقل فرمائی ہیں مثلاً عراقی مکتب فکر اور طریق تعلیم کے ذکر میں فقہاء عراق کا اپنے اساتذہ اور ان کے اجتہادات پر کلی اعتماد[۱]۔

اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ بعد کے حضرات اپنے پیش رو اکابر اہل علم کی معلومات و آراء کو زیادہ قوی اور اقرب الی الصواب خیال فرماتے تھے ''اعلام الموقعین'' کے ابتدائی صفحات بالخصوص اس کے شاہد ہیں۔

تقلید شخصی کا عام ظہور ورواج

تقلید غیر شخصی کو ترک کر کے امت نے تقلید شخصی کو کس وقت اختیار کیا حضرت امام اس کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وبعد المئتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم".

''ہجرت کے دوسو سال پورے ہوجانے کے بعد ایسے افراد پیدا ہوئے کہ جنہوں نے مجتہدین میں سے متعین طور پر کسی ایک کے مذہب کو اختیار کر رکھا تھا''

اور پھر ہوتے ہوتے یہ ذوق اتنا عام ہوا کہ بقول حضرت امام:

"وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهدبعينه"

''ایسے لوگ بہت کم اور خال خال رہ گئے جو کہ کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد وعمل نہ رکھتے ہوں''۔

بلکہ حضرت امام تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ:

"وكان هذا هو الواجب في ذلك الزمان".

''اس عہد اور زمانے میں یہی واجب بھی ہوگیا تھا[۲]''

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۵۲۔ [۲] الانصاف، ص:۵۹۔

تقلید کی ہر دو اقسام کا وجود

حضرت امام نے جہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ دوسری صدی کے اختتام اور تیسری کے آغاز سے تقلید شخصی کا رواج بڑھتا گیا وہیں حضرت نے اس کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ اس کے بعد دو سو سال تک یعنی چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک تقلید کی ہر دو قسمیں رائج رہی ہیں، یہ ضرور ہے کہ بتدریج تقلید غیر شخصی کے رواج میں کمی اور تقلید شخصی کے رواج میں ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا ہے:

"ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد بعینہ".

"چوتھی صدی ہجری سے پہلے تمام لوگ محض کسی ایک مذہب کی تقلید پر متفق نہیں تھے"۔

اور ذکر فرمایا ہے کہ عوام کو اجماعی اور اتفاقی مسائل میں تو کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، روزمرہ کے مسائل اپنے آباء واجداد اور علاقہ کے علماء سے معلوم کرتے اور خاص معاملات میں حسبِ موقع سوال کر لیا کرتے تھے، البتہ علماء کی دو جماعتیں ہو گئی تھیں۔

ایک اصحاب حدیث جو حدیث کے ساتھ اشتغال رکھتے اور احادیث وآثار کی روشنی میں احکام کا علم حاصل کر کے عمل کرتے، انہیں کسی اور کی تائید و مدد کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، ہاں یہ کہ کوئی بات حل نہ ہو تو ضرور فقہاء متقدمین پر اعتماد کرتے، اور بعض مرتبہ یہ لوگ بھی کسی امام کی بکثرت موافقت کرنے کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔

دوسرے اہل تخریج جن کا کام یہ تھا کہ کسی مجتہد کے مذہب کے حدود میں رہ کر جن واقعات و معاملات میں اصحاب مذاہب کے احکام منقول نہیں، ان کے

احکام کی اپنے فقہاء کے اقوال کی روشنی میں تخریج کریں یہ لوگ اپنے اصحاب اور فقہاء کی طرف ہی منسوب ہوتے تھے [۱]۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد

جب ان حضرات محدثین کی تعداد کم رہ گئی جو کہ خود اجتہاد کے اہل تھے اور اجتہاد کیا کرتے تھے، نیز مذاہب اربعہ کی تقلید سے دلچسپی اور ان کی اتباع میں بھی زیادتی ہوگئی، عوام وخواص سب ہی کے حالات میں تغیر آگیا تو خود حضرت امام کا بیان ہے کہ امت کے معتمد علماء کرام نے مذاہب اربعہ کی اتباع وتقلید پر ہی اکتفا کرلیا، عمومی طور پر نہ سہی تو کم از کم عوام الناس اور اجتہادی صلاحیتوں اور شرائط اجتہاد سے خالی علماء کے حق میں اس کو اختیار کرلیا گیا، چنانچہ اس تمہید کے ساتھ:

"ومما يناسب هذا المقام التنبيه على مسائل ضلت في بواديها الأفهام وزلت الاقدام، وطغت الأقلام".

"چند ایسے مسائل کی بابت اس موقع پر تنبیہ ضروری ہے کہ جن کے سلجھنے میں عقلیں بھٹک گئیں قدم پھسل گئے اور قلم ہاتھ سے بے قابو ہوگئے"۔

فرماتے ہیں:

"ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة أو من يعتذبه منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا".

"فقہ کے وہ چاروں مذاہب جو پورے اہتمام کیساتھ مدوّن وتحریر کیے گئے ہیں امت یا کم از کم معتمد علماء امت کا ان مذاہب کی تقلید کے جواز پر برابر اتفاق رہا ہے [۲]"

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱،ص:۱۵۲،۱۵۳۔

[۲] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱،ص:۱۵۴۔

مذاہب اربعہ کی تقلید کی تاکید

حضرت امام نے نہ صرف یہ کہ اجتہاد وتقلید کی تاریخ بیان فرمائی ہے بلکہ مذاہب اربعہ کی تقلید کی تاکید فرمائی ہے اوراس کے مصالح بھی ذکر فرمائے ہیں اور جن لوگوں نے تقلید کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے ان کی تردید فرمائی ہے[۱]۔

اس تقلید کو اختیار کرنے کی بعض بنیادوں کا تذکرہ گذشتہ سطور میں آچکا ہے "عقد الجید" میں حضرت شاہ صاحب نے ایک باب کا عنوان ہی یہ تجویز فرمایا ہے "باب تاکید الاخذ بھٰذہ المذاهب الاربعة والتشديد فی ترکھا والخروج عنها"[۲] پھر تفصیل سے اس کے مصالح وخوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اکابر اہل علم کے عناوین وسرخیاں بہت ہی باوقعت وقیمتی سمجھی جاتی ہیں اس لیے کہ ان میں ان کا مقصود اورآئندہ آنے والے مضمون کا لب لباب اور خلاصہ موجود ہوتا ہے۔

اس باب کا آغاز حضرت امام نے درج ذیل الفاظ سے فرمایا ہے:

"اعلم أن فی الأخذ بھٰذہ المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة نحن نبين ذلك بوجوه".

"خوب سمجھ لو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت اوران سب سے اعراض میں بڑا مفسدہ ہے، ہم اس کو مختلف وجوہ سے بیان کرتے ہیں[۳]"

حجۃ اللہ البالغہ میں اس امر پر امت کے اجماع کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لاسيما فی هذه الأيام التی قصرت فيها الهمم جدًا، وأشربت النفوس الهوىٰ واعجب كل ذی رأی برأيه".

---

[۱] ایضاً۔ [۲] عقد الجید، ص:۳۶۔ [۳] ایضاً۔

"بالخصوص اس زمانے میں جب کہ ہمتیں بہت پست ہو چکی ہیں اور دلوں میں خواہشات نفسانیہ رچ بس گئی ہیں اور ہر رائے رکھنے والا اپنی ہی رائے پر خوش و نازاں رہتا ہے۔[۱]"

وجوہ تاکید

حضرت امام نے عقد الجید میں یہ فرما کر کہ مذاہب اربعہ کی تقلید ضروری اور ترک بڑے مفسدہ کا باعث ہے مختلف وجوہ سے اس کو واضح فرمایا ہے، ہم مختصراً ان وجوہ کو ذکر کرتے ہیں۔

تدوین و استناد

پہلے تو حضرت امام نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تو طے ہے کہ دین کے باب میں اخلاف کا اسلاف پر اعتماد ضروری ہے لہٰذا فقہ و فتاویٰ میں بھی یہ ضروری ہے اور جب سلف کے اقوال پر اعتماد ضروری ٹھہرا تو:

"لابد من ان تكون اقوالهم التي يعتمد عليها مروية بالاسناد الصحيح أو مدونة في كتب مشهورة ، وأن تكون مخدومة بأن يبين الراجح من محتملاتها ويخصص عمومها في بعض المواضع ،ويقيد مطلقها في بعض المواضع ويجمع المختلف منها ويبين علل احكامها والالم يصح الاعتماد عليها وليس مذهب في هذه الازمنة المتاخرة بهذه الصفة الاهذه المذاهب الأربعة".

"ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا جارہا ہے وہ صحیح سند (یعنی معتبر اشخاص کے واسطے) سے مروی ہوں، یا پھر ان کتابوں میں مروی ہوں جو مشہور ہیں (جن سے لوگ عموماً واقف ہیں اور وہ بڑی

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱،ص:۱۵۴۔

حد تک دستیاب ہیں) نیز یہ کہ ان اقوال کی امت نے بایں معنیٰ قدر و خدمت کی ہو کہ محتملات میں راجح کو واضح کیا گیا ہو، اور ان سے متعلق اختلافات کو بھی ضبط کیا گیا ہو اور ان کے دلائل کو بھی ذکر کیا گیا ہو یہ امور اعتماد کے لیے شرط ہیں، بغیر ان کے اعتماد صحیح و جائز نہیں۔

اور اس اخیر زمانے میں اہل حق کے مذاہب میں سے بجز ان چار مذاہب کے کوئی اور مذہب ان صفات کا حامل نہیں ہے [1]۔"

سواد اعظم کی اتباع

دوسری وجہ حضرت موصوف نے حضور اکرم ﷺ کے ایک مشہور ارشاد کے پیش نظر ذکر فرمائی ہے آپ کا ارشاد ہے "سواد اعظم کی اتباع کیا کرو" سواد اعظم سے مراد بڑا مجمع اور جماعت ہے۔ حضرت موصوف نے مذاہب اربعہ کی تقلید و اتباع کو سواد اعظم کی اتباع قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"ولما اندرست المذاهب الحقة الاهذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الأعظم".

"چوں کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے مذاہب حقہ باقی نہیں رہ گئے۔ اس لیے اب ان کی اتباع ہی سواد اعظم کی اتباع ہے، اور ان سے باہر ہونا سواد اعظم سے کنارہ کشی ہے [2]۔"

زمانہ فساد میں سلف پر اعتماد ہی نجات کا ذریعہ ہے

تیسری وجہ حضرت موصوف نے یہ ذکر فرمائی ہے:

"چوں کہ عہد نبوت کو کافی وقت گذر چکا ہے، امانت و دیانت کا

---

[1] عقد الجید ص: ۳۷، ۳۸۔

[2] عقد الجید ص: ۳۸۔

لوگوں کو پاس وخیال نہیں رہ گیا ہے، اس لیے ظلم وزیادتی کرنے والے قاضیوں اور خواہشات کے تابع مفتیان کرام جیسے علماء سوء کے اقوال پر آنکھ بند کر کے عمل نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ وہ اپنی رائے وقول کے سلسلہ میں حضرات اسلاف (جو کہ صدق واخلاص اور دیانت وامانت میں مشہور تھے ان میں سے کسی کی تائید نہ پیش کریں خواہ تائید صراحتاً ہو یا دلالتہً نیز یہ کہ جن کی تائید پیش کی ہو ان کا قول محفوظ بھی ہو[۱]......"

مذاہب اربعہ کی تقلید، تقلید مذموم نہیں

اس کے ضمن میں حضرت موصوف نے عقد الجید اور حجۃ اللہ البالغہ دونوں میں وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید وہ تقلید ہرگز نہیں جسے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں مذموم ومنع قرار دیا گیا ہے، مذاہب اربعہ کے مقلد اصلاً حضور ﷺ کی تقلید واتباع کرنے والے ہیں، اپنے علم کی کمی وکمزوری کی وجہ سے ان اصحاب مذاہب کو واسطہ بناتے ہیں[۲] عقد الجید میں اس عنوان وبحث کے تحت کہ "مجتہد کی تقلید دو قسموں پر ہے واجب اور حرام" مذکورہ تقلید کو واجب قرار دیا ہے[۳]۔

اور اس بابت یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ مذاہب اربعہ کے ماننے والے اپنے ائمہ کی تقلید اس طرح کرتے ہیں کہ اگر کوئی صریح حدیث جو کہ صحیح وقوی بھی ہو، ان کے امام کے قول کے خلاف مل جائے (علماء کو خود اور عوام کو بواسطہ علماء) تو اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر وہ حدیث کو ہی اختیار کرتے ہیں[۴]۔

---

[۱] ایضاً، ص:۳۹۔

[۲] عقد الجید، ۴۸، ۴۹۔

[۳] ایضاً، ص:۸۳، ۸۴۔

[۴] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۲۱، و ۱۵۵، ۱۵۶۔

ابن حزم کی مذمت تقلید

اصحاب ظواہر- بعنوان دیگر طائفہ اہل حدیث کے سرگرم وفعال علماء میں سے علامہ ابن حزم اندلسی بھی ہیں انہوں نے تقلید کی مطلقاً مذمت کی ہے، خواہ مذاہب اربعہ کی ہو یا کسی اور کی اور مذمتِ تقلید کی آیات وروایات کا مصداق اس کو بھی قرار دیا ہے اور حضرات اہل حدیث نے تقلید کی مذمت کے سلسلہ میں علامہ موصوف کے بیان واستدلال کو ہی اختیار کیا ہے۔

حضرت امام دہلویؒ نے مذاہب اربعہ کی تقلید پر امت کے اتفاق اور اس کے مصالح کو بیان کرتے ہوئے ابن حزم کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ قرآن وحدیث میں ذکر کردہ مذمت عام اہل تقلید کے لیے نہیں بلکہ ایک خاص طبقہ کے لیے ہے اور اپنے بیان کو اخیر میں یہ فرما کر مؤکد کیا ہے کہ یہ تقلید حضور ﷺ کی ہی تقلید ہے اور امت نے ہر دور میں اس کو اختیار کیا ہے اس سے قطع نظر کہ افتاء واستفتاء کا تعلق کسی ایک عالم وفقیہ سے رہا ہو، یا وقتاً فوقتاً متفرق حضرات سے [1]۔

مذاہب اربعہ کی تقلید ایک الہامی امر

آپ نے حضرت کے قلم فیض رقم سے تقلید کی تائید وضرورت کی بابت بعض تصریحات ملاحظہ فرمائیں، حضرت موصوف نے اپنی کتاب ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' میں تو اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرٌّ الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون او لايشعرون''.

[1] عقد الجید، ص: ۴۰ تا ۴۸، وحجۃ اللہ البالغہ، ج: ۱، ص: ۱۵۴-۱۵۲۔

"خلاصہ یہ ہے کہ حضرات مجتہدین کے مذاہب (جن میں سے اب حضرات ائمہ اربعہ کے مذاہب ہی باقی ہیں) جیسا کہ آپ حضرت موصوف کی تصریح ملاحظہ فرما چکے ہیں کو اپنانا و اختیار کرنا ایک راز ہے جس کا اللہ تعالی نے حضرات علماء کو الہام کیا ہے اور ان کو اس پر متفق کر دیا ہے خواہ اس کو محسوس کریں یا نہ کریں[1]"

ائمہ اربعہ اور ان کا مبلغ علم

ان مذاہب اربعہ کی اہمیت اور جن حضرات کی طرف یہ منسوب ہیں یعنی حضرات ائمہ اربعہ، ان کی علمی عظمت اور قدر و منزلت جس نے ان کو اس مقام و منصب پر پہنچایا کہ اطراف عالم کے عوام و خواص نے ان کو اپنا مقتدا بنایا، اس کا اندازہ حضرات امام دہلوی کے اس جملہ سے لگایئے جو حضرت نے مؤطا امام مالک کی فارسی شرح "مصفی" کے مقدمہ میں سپرد قلم فرمایا ہے:

"بالجملہ ایں چہار امامانند کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است"

"خلاصہ یہ ہیکہ یہ چار امام ایسے ہیں کہ انکا علم سارے عالم کو محیط ہے[2]"

اکثر فقہاء کا طریق و ذوق

حضرت امام نے "تفہیمات" میں ایک موقع پر یہ بحث کرتے ہوئے کہ بعض ارباب کشف مذہب معین کی تقلید کے عمومی رواج کے زمانے و عہد میں بھی، اپنے انکشافات کی بنا پر اس کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، جیسے کہ بعض اکابر علماء کا اپنے ذاتی عمل میں یا فتوی و افتاء میں بھی یہی طریقہ تھا۔ لیکن اکثر فقہاء کا معاملہ کیا تھا۔ فرماتے ہیں:

---

[1] الانصاف، ص: ۶۵۔

[2] مصفی شرح مؤطا، ص: ۲۔

"و کان اکثر الفقهاء یتقیدون بمذهب واحد".
"اکثر فقہاء کسی ایک مذہب کے ہی پابند رہے جیسا کہ ظاہر و مشہور ہے[1]"

مذہب معین کی تقلید عامی محض کے حق میں

گذشتہ تصریحات سے مذاہب اربعہ کی تقلید کی بابت حضرت امام کی رائے سامنے آچکی ہے رہی یہ بات کہ ان کی تقلید اس طور پر ہوگی کہ حسب موقع جس مذہب کے مفتی و عالم سے آدمی مسئلہ معلوم کر سکے معلوم کر کے عمل کر لے، یا یہ کہ کسی ایک مذہب کی تقلید ضروری ہے؟ اس بابت حضرت امام نے عقد الجید میں تفصیل سے وہی باتیں ذکر فرمائی ہیں جو دوسرے محققین نے سپرد قلم کی ہیں اور خود حضرت امام نے عقد الجید میں ان کی تصریحات کے اقتباسات ذکر فرمائے ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ:

"عامی کا حقیقتاً کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ اپنے علاقہ کے علماء کا پابند ہے، جو وہ بتادیں وہ اس پر عمل کرے، اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے۔

البتہ اگر کوئی حدیث سنی اور اس کے ظاہر مطلب کے موافق عمل کر بیٹھا تو بعض حضرات کے نزدیک گنجائش ہے۔

اس استفتاء کا حق اس صورت میں بھی ہے جب کہ کسی ایک مذہب کی تقلید لازم نہ کی ہو اور اس صورت میں بھی جب کہ کسی ایک کی تقلید کا ارادہ کر رکھا ہو۔

نیز اس صورت میں بھی جب کہ اس جیسے مسئلہ میں ایک مرتبہ کسی سے مسئلہ پوچھ چکا ہو اور اس وقت بھی جب کہ پہلی مرتبہ یہ صورت پیش آئی ہو اگر ایک معاملہ کی بابت دو مفتیوں سے سوال کیا اور دونوں نے الگ الگ حکم بتادیا تو گنجائش کسی ایک پر بھی عمل کی ہے، البتہ جس

---

[1] تفہیمات، ج:۱، ص:۱۵۴۔

پر انشراح ہو اس پر عمل کرنا بہتر ہے، ضروری نہیں۔
لیکن اس نیت سے کئی مفتیوں سے پوچھتا نہ پھرے کہ شاید کوئی ایسی بات مل جائے کہ میں اپنی خواہش پوری کرسکوں، ہاں مطلقاً سہولت کی فکر مذموم نہیں ہے[1]۔"

مذہب معین کی تقلید کا لزوم ووجوب اور اس سے خروج کی حرمت

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ عامی کے حق میں کیا گنجائشیں ہیں، تاہم یہ بات کہ مذہب معین کی تقلید اس پر لازم ہے یا نہیں؟ تو اگرچہ بہت سے حضرات نے اس کی تصریح کی ہے کہ عامی کو ایک ہی مذہب اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن محققین مثلاً امام نووی، امام شافعی اور ابن الہمام حنفی وغیرہ نے اس خیال کا رد کیا ہے[2]۔
اور حضرت امام فرماتے ہیں کہ یہ گنجائش وہاں ہے جہاں مختلف مذاہب کے علماء یا ان کی کتابوں کا مستند علم رکھنے والے دوسرے مذاہب کے علماء محققین پائے جاتے ہوں۔
اور جن علاقوں میں عمومی طور پر ایک ہی مذہب کے علماء اور ایک ہی مذہب کی کتابوں کی درس وتدریس اور اس سے شغف ہے وہاں اسی مذہب کو اختیار کرنا لازم ہے، فرماتے ہیں:

"فاذا كان انسان جاهل فى بلاد الهند اوفى بلاد ماوراء النهر وليس هناك عالم شافعى ولا مالكى وحنبلى ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه أن يقلد لمذهب ابى حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه".

"اگر کوئی ان پڑھ آدمی ہندوستان اور ماوراء النہر جیسے ملکوں میں

---

[1] عقد الجيد، فصل فى العامى، الى آخر الكتاب۔
[2] ایضاً، اور التحریر ابن الہمام وغیرہ۔

ہو اور وہاں کوئی شافعی مالکی یا حنبلی نہ تو عالم ہو نہ ان کے مذہب کی
کتاب تو اس پر امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تقلید لازم ہے اور اسکا
ترک حرام ہے[1]"

مخصوص حالات میں مذہب معین سے خروج موجب گمراہی

بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر وہ اس صورت میں مذہب معین کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا تو:

"يخلع ربقة الشريعة ويبقى سفيهاً مهملاً"۔

"وہ اپنی گردن سے شریعت ہی کا قلادہ اتار پھینکے گا اور پھر آزاد
پھرے گا[2]"

ہندوستانی عوام اور مذہب حنفی

حضرت امام دہلوی نے سابقہ عبارت میں یوں تو ایک عام بات ارشاد فرمائی ہے اور مقصود یہ ہے کہ کوئی بھی علاقہ و ملک ہو جہاں یہ صورت حال ہو کہ ایک ہی مذہب کے علماء ہیں وہاں مذہب معین ہی کی تقلید ہوگی اور چوں کہ آپ بوقت تحریر ہندوستان میں تھے اور آپ کے مخاطب اور آپ سے مستفید ہونے والے بھی انہیں علاقوں کے لوگ تھے جہاں عموماً امام ابوحنیفہ کی فقہ کے علماء و کتابیں ہیں اور اس سے شغف ہے۔ اس لیے ہندوستان اور امام ابوحنیفہ کا ذکر فرمایا ورنہ عام بات فرماتے، آپکے مقصود کے اعتبار سے اسی عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ:

۔"ہندوستانی عوام کے لیے آپ کے نزدیک حنفی مذہب کی اتباع
و پیروی لازم ہے"

باوجود اس کے کہ حضرت امام خود فقہ شافعی کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے اور

---

[1] الانصاف ص: ۷۱۔ [2] ایضاً۔

آپ کے عہد میں بھی کچھ حضرات عمل میں آزادروش رکھتے تھے مگر پھر بھی انہوں نے یہ بات فرمائی۔

علماء اور مذہبِ معین کی تقلید

قبل اس کے کہ حضرت امام نے جو مذمت فرمائی ہے (تقلید کی بعض صورتوں اور بعض مقلدین کی) اس مذمت کو ذکر کیا جائے، مذاہب اربعہ اور مذہب معین کی تقلید کی بحث میں ایک اور امر کی صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وہ عامی جسے مختلف مذاہب کے فقہاء و مفتیان سے سابقہ ہے اور اس کو ایسے مفتیان وفقہاء میسر ہیں وہ تو آزاد ہے کہ حسب موقع وسہولت جو مفتی وفقیہ میسر ہو اس سے مسئلہ معلوم کر کے عمل کرے۔

لیکن وہ اہل علم جو حضرات مجتہدین کی صف میں سے نہیں ہیں اور انہوں نے اپنے حق میں کسی ایک مذہب کی تقلید کو اختیار کیا ہے تو وہ دوسرے مذہب کے احکام پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

حضرت نے یہ بحث یہاں سے اٹھائی ہے کہ جو شخص کسی امام کی فقہ میں تبحر ہے، اس کے مذہب کی کتابیں اصول وفروع اس کو حفظ ہیں اور کسی مسئلہ میں اسے کوئی حدیث صحیح اس کے امام کے قول کے خلاف مل جائے تو کیا کرے؟

حضرت امام نے اس کی بابت حضرات محققین کی تصریحات اور ان کے نظریات واختلافات ایک درجہ تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں۔ اس کے بعد خود اپنی جو رائے ذکر فرمائی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ اس صورت سے متعلق تین حالتیں ہیں ایک نفس جواز، دوسری پسندیدہ، اور تیسری وجوب۔

> "میرے نزدیک نفس جواز تو ہر اس موقع پر ہے جہاں اس کے
> اس عمل کی بدولت کسی معاملہ کے اندر کسی قاضی کا کیا ہوا کوئی فیصلہ متاثر

نہ ہوتا ہو۔اور مختار و پسندیدہ ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ خود اس
کوانشراح ہو،خواہ دلیل کی رو سے کسی بات کے سامنے آنے کی بنا پر
یااس وجہ سے کہ اس پر اسلاف کا بکثرت عمل رہا ہو یا اس وجہ سے کہ وہ
مبنی بر احتیاط ہو یا یہ کہ ضیق و تنگی سے نکالنے کی صورت ہو، محض خواہش
نفس اور دنیا طلبی کی وجہ سے اس کو اختیار نہ کیا جا رہا ہو۔
اور وجوب کی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی غیر کا حق متعلق
ہوتو اس کا حق دلانے کے لیے خلاف مذہب حکم کو (وجوبی
طور پر) اختیار کیا جائے گا[1]"

خواہش نفس کی بنیاد پر ترک مذہب

متبحر مذہب کے لیے اپنے مذہب کے خلاف کسی قول پر عمل کے مختار و پسندیدہ ہونے کے لیے حضرت امام دہلویؒ نے جو شرط ذکر فرمائی ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا اگر محض خواہش نفس اور دنیا طلبی کی بنیاد پر ہے تو جائز نہیں ہے۔ہاں ایک آدمی کسی ایسی تنگی و پریشانی میں پڑ گیا کہ اس جیسی تنگی و پریشانی میں شریعت کی جانب سے رخصت ہوا کرتی ہے تو جواز ہوگا، عالم کے لیے فتویٰ و عمل کا اور عامی کے لیے استفتاء و عمل کا۔

مذمت تقلید بزبان حضرت امام

اب تک آپ نے حضرت امام کی تحقیقات مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز و تحسین کی بابت ملاحظہ فرمائیں۔اب ذرا تصویر کا ایک اور رخ ملاحظہ فرمایئے۔ اس لیے کہ ایک جماعت نے صرف اسی رخ کو پکڑ رکھا ہے اور اس کی بنیاد پر حضرت امام کو اپنا پیشوا گردانتی ہے۔

[1] ملخص از عقد الجید،فصل فی المتبحر فی المذهب۔

حضرت کی سابقہ تصریحات سے بخوبی معلوم ہوگیا ہے کہ حضرت موصوف نفس تقلید کے مخالف نہیں۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت نے تقلید کی کس قسم کی اور کن حاملان تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔

مذموم حاملانِ تقلید

حضرت نے حجۃ اللہ البالغہ اور عقد الجید میں علامہ ابن حزم کا قول ذکر کرنے کے بعد، اس کی تردید کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ ابن حزم نے جن آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا سہارا لیا ہے۔ ان کا مصداق مذاہب اربعہ کے عام مقلدین نہیں ہیں بلکہ ان سے الگ چار قسم کے لوگ ہیں۔

"اوّل تو وہ لوگ جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت اور شرائط موجود ہیں، خواہ ایک ہی مسئلہ کی حد تک پھر بھی وہ تقلید کریں[1] (کہ ایسے حضرات کے لیے اس ایک مسئلہ میں ہی اجتہاد لازم اور تقلید درست نہیں ہے)۔

دوم وہ لوگ جن پر یہ بات پورے طور سے واضح ہو جائے کہ حضور ﷺ نے فلاں کام کرنے کا حکم دیا یا اس سے ممانعت فرمائی ہے اور آپکا یہ ارشاد منسوخ نہیں ہے، پھر بھی وہ تقلید کریں، خواہ یہ علم انکو اپنے علم واجتہاد کے ذریعہ ہو یا مجتہدین کے واسطہ سے، اس صورت میں تقلید کی مذمت مختلف علماء سے نقل فرمائی ہے[2]۔

سوم وہ لوگ جو اَن پڑھ عامی ہیں اور کسی فقیہ کی تقلید اس خیال واعتقاد کے ساتھ کرتے ہیں کہ صحیح تو وہی ہے جو اس نے کہا، اس سے غلطی نہیں ہو سکتی، اور ان کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ہمیں اس شخص کی تقلید نہیں چھوڑنی ہے اگرچہ اس کے خلاف کیسی ہی صحیح دلیل کیوں نہ مل

---

[1] عقد الجید، ص: ۴۳، حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۱، ص: ۱۵۵۔

[2] عقد الجید، ص: ۴۳۔ حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۱، ص: ۱۵۵۔

جائے[1]۔ اسی کو آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ میں بیان کیا گیا ہے۔

چہارم وہ لوگ جو کسی امام ومذہب کی تقلید میں اس درجہ غلو کرتے ہیں کہ حنفی کے لیے دوسرے مذہب کے فقیہ مثلاً شافعی فقیہ سے استفتاء یا نماز میں اس کی اقتداء کو ناجائز کہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف ہے[2]"۔

یعنی مذموم حاملان تقلید چار قسم کے لوگ ہیں: (۱) مجتہد، جو اہلیت اجتہاد اور اجتہاد کرنے کے باوجود تقلید کرے۔ (۲) اصحاب علم جن پر دوسرے قول کی صحت وقوت ظاہر ہو چکی ہے۔ (۳) عامی مقلد غالی۔ (۴) غالی مقلدین مذاہب علماء واصحاب افتاء۔

حضرت امام نے "عقد الجید" کے اندر ایک اور موقع پر بالخصوص دوسری وتیسری تقلید کو حرام قرار دیا ہے[3]۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں ایک موقع پر فرمایا ہے کہ امت نے اس قسم کی تقلید پر کبھی اتفاق نہیں کیا ہے[4]۔

تقلید مذموم اختیار کرنے والے فقہاء

اس تقلید جامد اور اندھی ومذموم تقلید کو اختیار کرنے والے وہ فقہاء ہیں جن کو حضرت امام نے حجۃ اللہ البالغہ کی درج ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے اور مراد لیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فالفقیہ یومئذ ھو الثرثار المتشدق الذی حفظ

---

[1] عقد الجید، ص:۳۶، حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۵۵۔

[2] عقد الجید ص:۳۶، حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۵۵۔

[3] عقد الجید، ص:۸۶۔

[4] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۲۱۔

اقوال الفقهاء، قويها وضعيفها من غير تمييز ونبردها بشقشقة شدقيه".

"آج تو فقیہ وہی ہے جو خوب اِدھر اُدھر کی اڑائے، منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرے، اور فقہاء کے تمام اقوال کو خواہ قوی ہوں یا ضعیف اس نے یاد رکھا ہو اور فر فر انہیں سنا سکتا ہو۔[1]"

جیسے کہ مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی نے بھی ایک موقع پر ایسے فقہاء کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"والی الله المشتكى من جهلة زماننا حيث يطعنون على من ترك تقليد امامه فى مسئلة واحدة لقوة دليلها ويخرجونه عن مقلديه ولا عجب منهم فانهم من العوام وانما العجب لمن يتشبه بالعلماء ويمشى مشيهم كالأنعام"

"ہم اپنے زمانہ کے جاہلوں کی اللہ کے علاوہ اور کس سے شکایت کریں کہ یہ جاہل ان لوگوں پر سخت تنقید کرتے ہیں جو محض قوت دلیل کی بنا پر کسی مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب واقتداء کو چھوڑ دیتے ہیں، اور اسے اس امام کا مقلد نہیں مانتے، اور عوام ہوں تو ہوں علماء کا طور وطریقہ رکھنے والے لوگ بھی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، تعجب تو اس پر ہے۔[2]"

ایک اور موقع پر حضرت امام فرماتے ہیں:

"أما هؤلاء الباحثون بالتخريج والاستنباط من كلام الاوائل المنخلون ملهب المناظرة والمجادلة فلا يجب علينا أن نوافقهم فى كل ماينفوهون به ونحن رجال وهم رجال والامر بيننا وبينهم سنجال"

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۵۴، والانصاف، ص:۹۵۔

[2] الفوائد البہیۃ، ص:۱۵۰۔

"رہے یہ لوگ جو متقدمین کے کلام سے استنباط و تخریج کر کے بحث کرنے والے اور مباحثہ و مناظرہ کے طریقہ کو اختیار کرنے والے ہیں ہم پر ان کی ہر بات کی موافقت ہرگز لازم نہیں ہے۔ وہ بھی آدمی ہم بھی آدمی معاملہ برابر سرابر ہے۔ تو کیوں ان کو مانیں [1]"

فیض نبوی سے محروم فقہاء

حضرت موصوف نے فرمایا ہے کہ اس قسم کے فقہاء حضرت نبی کریم ﷺ کی روح پرفتوح سے استفادہ و استفاضہ سے محروم رہتے ہیں چنانچہ فیوض الحرمین میں ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"ویجب التنبیه بعد ذلك علی نکتة وھی انه رب رجل یکون عنده ان النبی صلی الله علیه وسلم یختار المذھب الفلانی و انه الحق المطلوب ثم یقصر فیه فینعقد فی قلبه اعتقاد انه قصر فی جنب الله و رسوله فیاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم ویقف عنده فیجد بینه وبین النبی صلی الله علیه وسلم بابا مسدوداً لاینفتح فیقول ھذه معاتبة منه علیه الصلاة و السلام علی تقصیره و التحقیق انه اتاه بصدر ممتلیء مخالفة و انکباحا فانسلباب الفیض من جهة سوء القابلیة".

"یہاں اس کے بعد ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ بعض مرتبہ ایک آدمی کسی مذہب کی تقلید (اس درجہ حسن ظن اور اعتقاد کے ساتھ) کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بھی اس مذہب کو پسند کرتے ہیں اور یہی حق وصواب ہے۔

پھر اتفاق سے اس سے کوئی کام اس مذہب کے خلاف ہو جاتا ہے

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ۔

تو وہ اپنے اس اعتقاد فاسد کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہے۔

اب جو وہ حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک کی جانب استفادہ اور افاضۂ علوم کی غرض سے توجہ کرتا ہے تو اس کو کچھ نہیں حاصل ہوتا اور اس کو افاضہ وافادہ کا دروازہ بند ملتا ہے اس پر وہ یہ کہتا اور سمجھتا ہے کہ میری اس کوتاہی کی بدولت حضور ﷺ مجھ سے ناراض ہیں اور میں استفادہ سے محروم ہوں۔ حالانکہ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ استفادہ کے لیے جب متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دل و ذہن حضور کی مخالفت سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور یہی باعث ہوتا ہے فیض کے دروازہ کے بند ہونیکا کہ اسکے اندر حضور ﷺ سے استفادہ کی صحیح قابلیت نہیں ہوتی [۱]"

تقلید مذموم سے برأت کا اظہار

حضرت امام نے تقلید مذموم سے پورے طور پر اپنی برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

"ها أنا بريئ من كل مقالة صورت مخالفة لاية من كتاب الله اوسنة من رسول الله ﷺ أو اجماع القرون المشهود لها بالخير او ما اختاره جمهور المجتهدين ومعظم سواد المسلمين فإن وقع شيئ من ذلك فانه خطأ".

"خوب سن لو کہ میں ہر ایسی بات سے بری و دور ہوں جو قرآن کریم کی کسی آیت، حضور اقدس ﷺ کے کسی ارشاد یا قرون اولیٰ جن کے متعلق صلاح و خیریت کی شہادت خود حضور ﷺ نے دی ہے۔ ان کے اجماع، اور جمہور مجتہدین یا عامۃ المسلمین کے اختیار کردہ کسی معاملہ و مسئلہ کے خلاف ہو اور اگر کہیں ایسا ہو بھی تو محض خطا و غلطی ہے [۲]"

[۱] تفہیمات، ج:۲، ص:۲۴۰۔ [۲] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۵۴۔ والانصاف، ص:۹۵۔

تقلید مذموم سے دور رہنے کی وصیت

اور ظاہر ہے کہ جو چیز اتنی بری وناپسندیدہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کی مذمت ہے، تمام اہل عقل ونقل اس کو ناپسند کرتے ہیں تو ایک سلیم الطبع اور خیر خواہ عوام وخواص نہ خود اس کو پسند کرے گا نہ دوسروں کا اس سے قریب ہونا اس کو اچھا لگے گا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی برأت کے اظہار کے علاوہ دوسروں کو بھی اس سے پورے طور پر پرہیز کی وصیت وتاکید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

''سخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمی رادست آویز ساختہ تتبع سنت راترک کردہ ان نشیدن دبدستاں التفات نکردن وقربت خدا جستن بدردی ایناں''۔

''ایسے فقہاء کی بات نہ سنی جائے جو کسی ایک عالم کی تقلید کو دستاویز سمجھتے ہوں اور سنت کو ترک کرتے ہوں ایسے لوگوں سے دور رہنے میں خدا کا تقرب سمجھیں[۱]''

ایک تیسرا رُخ

اب تک آپ نے دو رخ ملاحظہ فرمائے۔ نفس تقلید کا اثبات وتحسین اور تقلید جامد کی مذمت، اب اسی تقلید جامد کے بالمقابل محض ظواہر حدیث پر استناد واعتماد اور اقوال فقہاء سے صرف نظر کے سلسلہ میں حضرت امام کے بیانات ملاحظہ ہوں:

صرف ظواہر احادیث پر اعتماد کرنے والے

ظواہر احادیث، اور ظاہر حدیث سے مراد احادیث کے الفاظ کا ظاہری مفہوم ومطلب ہے۔ ایک طبقہ کا فقہی مسلک یہی ہے کہ وہ صرف ظاہری مفہوم کی

---

[۱] فیوض الحرمین، ص: ۳۱۔

اتباع اور اس پر عمل کو اختیار کرتا ہے حضرت امام اس طبقہ کی بابت فرماتے ہیں:

المحدث من عدّ الاحادیث صحیحها وسقیمها وهذها کهذالاسماء بقوة لحیة".

''آج کا محدث بس وہ ہے جو صحیح وغلط ہر قسم کی احادیث کو شمار کر ڈالے اور اپنی زور بیانی سے انکو ذکر کرنے میں ایسا اڑاتا ہو جیسے کہ آدمی چند ناموں کو رٹ لیتا ہے اور پھر بے ساختہ انکو سناڈالتا ہے[1]''

مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگ حقیقتاً محدث نہیں ہیں۔

عمل بالحدیث میں افراط پر مذمت

ایک اور موقع پر ذرا تفصیل سے فرماتے ہیں، بلکہ علامہ خطابی سے نقل کرتے ہیں:

"هذه الطبقة الذین هم أهل الحدیث و الأثر فإن الأکثرین إنما وکدهم الروایات وجمع الطرق وطلب الغریب والشاذ من الحدیث الذی اکثره موضوع أومقلوب لایراعون المتون ولا یتفهمون المعانی ولایستنبطون سرّها ولایستخرجون زکازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتناولوهم بالطعن وادعوا علیهم مخالفة السنن ولا یعلمون انهم عن مبلغ ماأوتوه من العلم قاصرون وبسوء القول فیهم آثمون".

''یہ لوگ جو کہ اہل حدیث اور اہل اثر کہلاتے ہیں ان میں سے اکثر کی جدو جہد اور کوشش وکاوش کا حاصل کیا ہے؟ محض تھوڑی سی روایات متعدد واسطوں سے انکو حاصل کرنا، ان غریب وشاذ حدیثوں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۰۰،۱۱

کو جمع کرنا کہ جن میں سے اکثر یا تو موضوع ہیں یا مقلوب[1] نہ تو متون کی رعایت کریں اور نہ معانی کو سمجھ سکیں، یہی نہیں بلکہ (بعض تو اتنے دریدہ دہن ہوتے ہیں کہ) حضرات فقہاء پر عیب لگاتے ہیں ان کو برا بھلا کہتے ہیں ان پر حدیث کی مخالفت کا الزام لگاتے ہیں حالاں کہ خود علم سے اتنے کورے ہوتے ہیں کہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ان حضرات کو جس درجہ کا علم عطا کیا گیا تھا اس تک یہ نہیں پہنچ سکتے بلکہ اس گستاخی و بے ادبی کی وجہ سے وہ گناہگار ہوتے ہیں[2]"

حاصل عبارت اور مقصود صاحب عبارت

اس عبارت کا حاصل اسکے علاوہ اور کچھ نہیں جسے آغاز مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت موصوف نے ہر طبقہ کے افراط و تفریط پر ضرب کاری لگا کر راہ اعتدال کی رہنمائی کی ہے جس طرح حضرت نے تقلید کی بابت راہ اعتدال بیان فرمائی ہے، عمل بالحدیث کے سلسلہ میں بھی اعتدال ہی پر توجہ دلانے کے لیے اس سلسلہ میں غلو کرنے والوں پر تنقید کی ہے اور گویا یہ فرمایا ہے کہ محض اس سے ہی کام چلنے والا نہیں ہے، احادیث کیساتھ فقہ اور فقہ کیساتھ احادیث کو لیکر چلنا ہوگا جیسا کہ بعض دوسرے مواقع پر حضرت کی تصریحات سے ہی بخوبی واضح ہوتا ہے۔

ہر دو طبقے کا افراط حماقت و گمراہی

تفہیمات میں ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"انی اقول لهولاء المسمين انفسهم بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من احاديث النبى

---

[1] موضوع۔ یعنی غلط و من گھڑت۔ مقلوب، جس میں الٹ پھیر کردی گئی ہو۔

[2] الانصاف، ص:۵۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم باسناد صحیح وقد ذهب الیه جمع عظیم من المتقدمین ولا یمنعهم الا التقلید لمن لم یذهب الیه وهولاء الظاهریة المنکرین للفقهاء الذین هم طراز حملة العلم وائمة اهل الدین انهم جمیعا علی سفاهة وسخافة رأی وضلالة وان الحق امر بین بین.

"جو لوگ اپنے آپ کو فقیہ کہتے ہیں اور تقلید خالص پر جمے بیٹھے ہیں ان کے پاس صحیح سند سے مروی کوئی حدیث جب آتی ہے جس پر فقہاء متقدمین کی ایک بڑی جماعت کا عمل ہوتا ہے تو یہ تقلید ان کے لیے اس پر عمل سے مانع بنتی ہے۔

اور یہ "ظاہری" جو کہ فقہاء پر نکیر کرتے ہیں جو کہ علم کا خلاصہ اور اہل دین کے مقتدا ہیں ہر دو کی بابت میرا یہ کہنا ہے کہ یہ سخافت رائے اور گمراہی میں پڑے ہیں اور حق ہر دو کے درمیان ہے۔[1]"

فقہ وحدیث کسی ایک سے صرف نظر کرنے والوں سے برأت

حضرت امام نے دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کی تاکید کے سلسلہ میں ان میں سے کسی ایک سے صرف نظر کرنے والوں سے اپنی برأت اور سخت بیزاری کا اظہار فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"جو کتاب اللہ میں غور وفکر سے کام نہ لے اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کو نہ سمجھے اس کا ہم سے تعلق نہیں ہے۔

نیز جو حضرات علماء کی مصاحبت اختیار نہ کرے اس سے بھی ہم بے تعلق ہیں۔

اور حضرات علماء سے مراد وہ صوفیاء کرام ہیں جن کو کتاب وسنت کا بھی وافر علم ہے یا وہ علماء کرام جن کو تصوف سے بھی دلچسپی ہے اور اس

---

[1] تفہیمات، ج:۱، ص:۲۰۹۔

کا بھی کچھ حصہ ملا ہے یا وہ محدثین جن کو علم حدیث کیساتھ ساتھ علم فقہ سے بھی دلچسپی ہے یا وہ فقہاء کہ جن کو فقہ کیساتھ علم حدیث سے بھی کافی تعلق ہے[1]۔"

فقہ وحدیث ہر دو پر عمل واعتماد کی تاکید ووصیت

حضرت موصوف نے اپنے وصایا میں (جن کا تعلق عموماً انہیں چیزوں سے ہوتا ہے جو کہ صاحب وصیت کے نزدیک اہم ہوتی ہیں) اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور اہمیت ذکر فرمائی ہے اور نمبر اوّل پر اسی سلسلہ کی وصیت کو رکھا ہے جس میں عقائد واعمال دونوں کی بابت صحیح وصواب راہ اور گویا پوری زندگی کا خلاصہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے فرماتے ہیں:

"ودر فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند بیان فقہ وحدیث کردن ودائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست"۔

"..... فروعی مسائل میں ان علماء محدثین کی پیروی کرے جو فقہ وحدیث دونوں کو خوب جانتے ہوں اور ہمیشہ مسائل فقہ کو کتاب وسنت پر پیش کرتا رہے جو موافق ہو اس کو قبول کرے ورنہ ترک کر دے امت کو کسی وقت بھی اجتہادی وقیاسی مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے مفر نہیں (تا کہ ان کی صحت وعدم صحت کا علم ہو سکے)[2]"

مذکورہ وصیت کا تجزیہ

مذکورہ بالا وصیت کے اصلاً دو اجزاء ہیں ایک کا تعلق عقائد سے ہے جس کو

---

[1] ایضاً، ج:۲، ص:۲۰۲۔

[2] تفہیمات، ج:۲، ص:۲۴۰۔

یہاں نقل نہیں کیا گیا ہے اور دوسرے کا اعمال یعنی فقہ سے اور اس کے بھی دو حصے ہیں اوّل کا تعلق عوام سے ہے اور دوم کا (یعنی مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں پرکھنا اس کا) تعلق ارباب علم وتحقیق اور اصحاب فتاویٰ سے ہے کہ حضرت امام کا یہی طریق تھا، اور بقول حضرت کے یہ طریق ہر کس وناکس کے لیے نہیں بلکہ انہیں حضرات کے لیے ہے جن کی فطرت ہی مسائل کی تحقیق وتفتیش ہے۔

اصحاب ظواہر واصحاب قیاس ہر دو کو ایک ہدایت

ایک موقع پر حضرت امام نے اس سلسلہ کے افراط وتفریط کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"من كان من اهل الحديث ينبغي ان يعرض ما اختاره وذهب اليه على رأى المجتهدين من التابعين ومن بعدهم ومن كان من اهل التخريج ينبغي له أن يحصل من السنن مايحترز به من مخالفة التصريح الصحيح ومن القول برايه فيما فيه حديث أو اثر بقدر الطاقة.

"جو اصحاب حدیث میں سے ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اختیار کردہ رائے کا تابعین اور بعد کے مجتہدین کی آراء سے موازنہ کرے۔ اور جو اصحاب تخریج میں سے ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ احادیث کا اس قدر علم ضرور حاصل کرے کہ صریح وصحیح حدیث کی مخالفت نہ ہو اور جس مسئلہ میں کوئی حدیث یا اثر منقول ہو اس میں کوئی بات محض اپنی رائے سے نہ کہے[1]"

چوتھا رُخ

حضرت کی تصریحات وتحریرات میں اجتہاد وتقلید کی بابت جو کچھ منقول

---

[1] الانصاف، ص: ۵۱۔

ومذکور ہے ابھی اس کا ایک اہم حصہ ذکر سے رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت نے مذاہب اربعہ کی تقلید کی تحسین وتوثیق تو فرمائی ہے لیکن کس حیثیت سے؟ کہ اسے لازم بھی قرار دیا ہے یا نہیں؟ اب اسی پہلو کو ذکر کرنا مقصود ہے ویسے اس بابت کچھ ذکر آ چکا ہے مگر ضمناً۔

مذاہب اربعہ سے کنارہ کشی

حضرت موصوف نے باوجود اس توثیق وتحسین کے جس کا تذکرہ گذر چکا ہے مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی بھی پیروی نہ کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کو جائز کہا ہے لیکن جس موقع پر اس جواز کو بیان کیا ہے کیا قیدیں ذکر فرمائی ہیں؟ نیز مذاہب اربعہ کی تقلید کے جو محاسن ومصالح بیان فرمائے ہیں ان کا کیا مقتضی ہے؟ اور ان کے پیش نظر کیا حکم ہوگا؟ اس کو بھی واضح کرنا ضروری ہے۔

مذاہب فقہیہ حضور ﷺ کی نگاہ میں

حضرت موصوف نے فیوض الحرمین کے اندر ذکر کردہ ایک مکاشفہ میں بایں الفاظ اس کی اجازت ذکر فرمائی ہے:

> "وتاملته عليه الصلاة والسلام الى ايّ مذهب من مذاهب الفقه يميل لاتبعه والتمسك به فاذا المذاهب كلها عنده على السواء".
>
> "میں نے حضرت اقدس ﷺ کی ذات میں غور کیا کہ مذاہب فقہیہ میں سے آپکا میلان کس کی طرف ہے، تا کہ اسی کو اختیار کر کے اسی کے مطابق عبادات کو انجام دوں۔ جواب میں یہ بات سامنے آئی کہ:

حضرت اقدس ﷺ کی نسبت سے تمام مذاہب برابر ہیں[۱]"

یہ برابری ومساوات اس اعتبار سے نہیں ہے کہ ہر رائے وخیال حق ہے، بلکہ حضرات مجتہدین کے تقویٰ واحتیاط، اور نفس استنباط، نیز اصل مقصود کے متحد ہونے کے اعتبار سے، اور مولانا سندھی نے اپنے مقالہ میں الفاظ ذیل سے غالباً یہی مرادلیا ہے:

"مرکز اسلام میں یہ چاروں مذاہب اسلام کے مساوی شارح ہیں[۲]"

چنانچہ حضرت امام نے بھی اس کے بعد اس کی توجیہ ذکر فرمائی ہے۔

مذاہب اربعہ کی عدم اتباع کی اجازت

حضرت موصوف نے اپنے مذکورہ مکاشفہ پر بنا کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"فلو ان احدا لم یقتف واحداً من المذاهب لم یکن له صلی الله علیه وسلم سخط بالنسبة الیه".

"(جب یہ بات سامنے آگئی کہ حضور ﷺ کی نسبت سے سارے مذاہب یکساں و برابر ہیں تو) اگر کوئی شخص مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی نہ کرے تو محض اس عدم پیروی کے پیش نظر حضور ﷺ کو اس پر کوئی ناگواری نہ ہوگی[۳]"

مذکورہ بالا تصریح سے حضرت امام کی طرف سے اس کی اجازت وجواز کا ثبوت ہوگیا۔ لیکن جواز، فقہاء کے نزدیک بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے اس کے تحت حرمت کے علاوہ احکام کے سبھی مراتب آسکتے ہیں یعنی استحباب، وسنت وغیرہ اور کراہت کی دونوں اقسام بھی، تو اس جواز کی کیا نوعیت ہے یا ہوگی، اس کی وضاحت خود حضرت موصوف کے انداز بیان، آگے ذکر کردہ قیود نیز دیگر بعض

---

[۱] فیوض الحرمین، ص:۳۱۔

[۲] الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ۳۱۰۔

[۳] فیوض الحرمین، ص:۳۱۔

تصریحات سے ہوتی ہے۔

جوازعلی سبیل التنزل

''علی سبیل التنزل'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مثلاً ایک چیز ہے، اس کے فوائد ونقصانات ایک شخص کے سامنے رکھ دیئے جائیں اور اس کے بعد اس کا ایک حکم ذکر کیا جائے مگر وہ بالمقابل پہلو پر مصر ہو جو کہ پورے طور پر مصالح کے خلاف بھی نہ ہو۔ تو کہہ دیا جائے کہ اچھا نہیں مانتے تو یہی کرلو۔

حضرت امام کا انداز بیان اس موقع پر کچھ اسی قسم کا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت علی سبیل التنزل ہے یعنی اصل تو مصالح ومحاسن کی بنیاد پر مذاہب اربعہ کی تقلید وپیروی ہی ہے لیکن اگر کوئی اس کو اختیار نہ کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اسی لیے تو فرمایا ہے کہ ''نہ کرے تو ناگواری نہ ہوگی''۔

لیکن یہ طرزِ عمل پسندیدہ بھی ہوگا یا نہیں؟ اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور اس کا اندازہ حضرت موصوف کے ان مکاشفات سے لگایا جاسکے گا جو آئندہ حضرت کے طریق عمل کی وضاحت کے سلسلہ میں ذکر کئے جائیں گے اور حاصل یہ ہے کہ ''اگرچہ ناگواری نہ ہوگی مگر مصالح کے خلاف ہونے کی وجہ سے پسندیدہ بھی نہیں'' مصالح کی مخالفت کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

اور اس اجازت کے تنزلی یا علی سبیل التنزل ہونے پر تین قرینے ہیں اوّل تو تفریع حضور ﷺ کی عدم ناگواری وناراضگی کے ذکر کے ساتھ، دوم لفظ ''لو'' کہ فقہاء کے یہاں بسا اوقات کسی مسئلہ کے بیان میں بعض شقوں کے ساتھ لفظ ''لو'' نفس جواز کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے، سوم وہ عبارت جس سے حضرت نے اپنے بیان کو مؤکد فرمایا ہے کہ اس کو بالکلیہ شریعت کے خلاف اور باعث ناگواری سمجھنا غلط ہے۔

مذاہب سے آزادی مصالح کے خلاف

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام دہلویؒ نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو مبنی بر مصالح فرمایا ہے اور مختلف وجوہ سے اس کو مؤکد فرمایا ہے، یہی نہیں بلکہ بعض حالات میں مذہب معین کی تقلید کو لازم بھی قرار دیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ان مذاہب کو بالکلیہ ترک کرنے میں ان مصالح اور ان وجوہ کا فقدان ہوگا جس کی بناء پر مذاہب اربعہ کی تقلید و پابندی کی تحسین کی گئی ہے اور کسی کام کو اس اندازہ میں کرنا کہ اس کی وجہ سے وہ مصالح فوت ہوتے ہوں جو شریعت کی نگاہ میں مطلوب اور پسندیدہ واہم ہیں۔ لامحالہ ناپسندیدہ ہوگا۔ چنانچہ آپ پڑھیں گے کہ حضرت موصوف کو ان کی طبیعت کے خلاف مذاہب اربعہ کے ساتھ مقید ہونے کا حکم دیا گیا۔

وہ مصالح جن کا حضرت امام نے تذکرہ فرمایا ہے تین ہیں، اوّل ہمتوں کی پستی، کہ تحصیل علم و تکثیر معلومات میں بلند ہمتی نہیں رہ گئی چنانچہ قرون اولیٰ کے جیسے محققین ناپید ہیں۔ دوم خواہشات کا غلبہ اور ہر معاملہ میں نفس کے تقاضوں کو مقدم رکھنا سوم اپنی عقل و فہم پر ناز۔

امتداد زمانہ کے ساتھ ان امور میں زیادتی ہی ہوتی جارہی ہے کمی نہیں، پھر یہ کہ اس آزادی و عدم تقید کی صورت میں یہ خرابیاں مزید ہیں (۱) جو چیز معتمد و مستند طریقہ پر امت کو حاصل ہوئی ہے اس سے صرف نظر (۲) سواد امت کی موافقت کا ترک، گویا حضور ﷺ کے ارشادات پر عمل سے کھلا اعراض (۳) اور زمانہ فساد اور دیانت کے فقدان کے وقت میں ہر کس وناکس پر اعتماد کرنا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جن لوگوں کو دوسرے مذاہب کے معتمد و محقق اہل افتاء نہ مل سکیں ان کے حق میں مذہب معین کی تقلید کو لازم قرار

دیا گیا ہے اور اس کے ترک کو حرام بلکہ آزادی وگمراہی کا باعث قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جن لوگوں کے حالات لزوم وجوب کے مقتضی ہوں وہ اگر ایسا کریں گے تو ان کا مذاہبِ اربعہ سے اعراض واجب کا ترک اور ارتکابِ حرام ہوگا۔

اور حضرت امام کی تصریح کے مطابق تو ہندوستان جیسے ملک میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل لازم ہے فقہاءِ اربعہ میں سے کسی دوسرے مذہب پر عمل درست نہیں ہے، تو تمام مذاہب سے یکسر صرفِ نظر کا کیا حکم ہوسکتا ہے، سمجھ لیا جائے۔

حاصل یہ کہ حضرت کی ان تمام تصریحات کے ساتھ اور انکے بعد جنہیں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں یہ اجازت جواز علی سبیل التنزل پر ہی محمول کی جاسکتی ہے۔

جواز بشرطِ عدمِ فساد وعدمِ قتال

حضرت امام نے اس جواز کو یا اس عمل پر حضور ﷺ کی عدم ناگواری کو مطلق نہیں رکھا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ نفس عمل تو ضرور جائز ہے اور ناگواری کا باعث نہیں لیکن:

> "اگر اس کی بنا پر قوم وملت کا شیرازہ بکھرتا ہو، آپس میں قتل وقتال کی نوبت آتی ہو، اور بغض وعداوت تک بات پہنچتی ہو تو یہ عمل حضور ﷺ کی ناگواری کا باعث ہوگا[1]"

جو معاشرہ وقوم کسی ایک مذہب کی تقلید کی پابند وعادی نہیں وہاں تو اس قسم کے امور سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، چنانچہ جب تک تقلید شخصی کا رواج نہیں تھا بلکہ تقلید غیر شخصی عام ورائج تھی علماء نے اس سے بحث نہیں کی۔

تعامل کے خلاف کوئی بھی اقدام مستلزمِ فساد وانتشار

لیکن یہ عام بات ہے کہ جب کوئی معاشرہ اور سوادِ قوم کسی نظریہ کی حامل

---

[1] فیوض الحرمین، ص: ۶۴۔

یا کسی چیز پر عمل پیرا ہو تو اس نظریہ و عمل کے خلاف کوئی دعوت، کوئی آواز و تحریک خواہ وہ اپنے اندر کتنی ہی واقعیت اور حقیقت و حقانیت رکھتی ہو۔ معاشرہ میں انتشار و پراگندگی اور دوسری بہت سی خرابیوں کا باعث بنا کرتی ہے۔

اور یہ بات درست ہے کہ جو امر بالکلیہ ناجائز ہے اس کے خلاف اور جو سراسر حق و جائز ہے اسکے لیے آواز ضرور اٹھائی جائے گی اور اقدام کیا جائے گا ورنہ تو کبھی اصلاح معاشرہ کی کوئی تحریک نہ وجود میں آئے گی اور نہ سودمند ہوگی لیکن جس امر میں کوئی بھی گنجائش کا پہلو نکلتا ہو تو فساد و انتشار کے موقع پر اور اس کے قوی اندیشہ کی صورت میں اس کے حق میں آواز کا بند رکھنا اور اس پر عمل سے اعراض و احتراز ہی بہتر بلکہ ضروری ہوگا اور ہے۔

تعامل عند الشرع قابلِ قدر و اہم

یہی نہیں بلکہ بسا اوقات معاشرہ کسی چیز کے اندر اس طرح مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس سے بچنا اور نکلنا دشوار ہی نہیں بلکہ شدید مشقت و مضرت کا باعث اور ایک درجہ ناممکن سا ہوتا ہے، اسی حالت و کیفیت کو فقہاء تعامل اور عرف و عادت سے تعبیر کرتے ہیں اور بہت سے معاملات میں یہ ایک اہم بنیاد ہے جواز یا عدم جواز کا حکم لگانے و فیصلہ کرنے کے لیے[1]۔

مذاہب اربعہ کی تقلید امت کا تعامل ہے

خود حضرت امام کی تصریح آپ کی نظروں سے گذر چکی ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید پر پوری امت نہ سہی تو کم از کم امت کے معتد بہ حصہ کا اتفاق رہا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مذاہبِ اربعہ کی تقلید اب سوادِ اعظم کی تقلید ہے، چوتھی صدی ہجری

---

[1] ملاحظہ ہو الاشباہ لابن نجیم اور رسم المفتی و المصادر الشرعیہ فیما لانص فیہ۔

کے بعد سے برابر امت کا یہی عمل وتعامل رہا ہے، امت کے اکابر علماء و محققین نہ صرف اس کے مؤید بلکہ اس پر عمل پیرا رہے ہیں ہاں خال خال کہیں کہیں کچھ افراد ایسے بھی پائے گئے ہیں جن کا طریق عمل اس کے خلاف رہا ہے تو ان کی مخالفت اس تعامل میں مؤثر نہیں۔

مذاہبِ اربعہ سے خروج مستلزم فساد

اور جب یہ امت کا عام عمل وتعامل رہا ہے بالخصوص ہمارے ملکوں میں تو اب اوران ملکوں میں اس کے خلاف کوئی بھی اقدام خلفشار اور انتشار کا باعث ہوگا اسی لیے تو حضرت امام نے جواز کے ذکر کے معا بعد قید لگائی ہے بلکہ خود اپنے متعلق حضرت موصوف نے فیوض الحرمین میں جس موقع پر فرمایا ہے:

> ''اللہ تعالیٰ نے مجھ کو قبول عطا فرمایا ہے اور مجھ کو امام بنایا ہے اور میرے طریقِ کار کو درست بتایا ہے اور میرے مذہب کو بھی اصل وفرع دونوں کے اعتبار سے، لیکن سب کے لیے نہیں بلکہ مخصوص لوگوں کے لیے، کہ جنکی فطرت ومزاج میں تحقیق ہو''

یہ بھی ذکر فرمایا ہے:

> ''اس شرط کیساتھ کہ تمہارا یہ فعل وعمل امت میں اختلاف وقتال کا باعث نہ ہو[۱]''

بلکہ ایک مکاشفہ میں تو صاف صاف فرمایا گیا ہے:

> ''وایاك ان تخالف القوم فی الفروع''
>
> ''خبردار۔فروع (یعنی فقہیات) میں قوم کی مخالفت سے بچنا[۲]''

یہ بھی فرمایا ہے:

---

[۱] ایضاً،ص:۶۳۔

[۲] ایضاً،ص:۶۲۔

"اس نکتہ پر اس شخص کا متنبہ ہونا ضروری ہے جو تمہارے مذہب
کو اصلاً و فرعاً اختیار کرے"

یہ تاکید کیوں؟ معاشرہ کے اسی تعامل کی رعایت اور اس کے خلاف آواز اٹھانے پر فساد و انتشار ہی کے خدشہ و خیال سے تو۔

اور یہاں پہنچ کر عرض کیا جاسکتا ہے کہ خود حضرت موصوف کو ان کی طبیعت کے خلاف تقلید اور مذاہب اربعہ کی تقلید کا جو حکم دیا گیا وہ غالباً انہیں وجوہ کی بنا پر تھا لیکن حضرت موصوف نے اس موقع پر اس کی توضیح نہیں فرمائی ؎۔

واقعات کے آئینے میں

اگر آپ حضرت موصوف کے ارشاد اور ہماری توضیح کو واقعاتی صورت میں دیکھنا چاہیں تو جو خطرات و مفاسد ترکِ مذاہب کے بیان کئے گئے وہ اور کہیں نہیں ہمارے ملک میں پیش آ کر رہے۔

ہمارے ملک میں "مسلکِ اہل حدیث" اور "جماعتِ اہل حدیث" کے ظہور میں آنے کے بعد اور اس کی وجہ سے کیا کچھ نہ ہو کر رہا، کتنے مناظرے، کتنے کتابچے، کتنے مقدمے، نہ صرف یہ بلکہ کتنے جھگڑے محض آمین بالجہر، رفعِ یدین اور قراءت خلف الامام کی وجہ سے ہوئے اور ہر دو طرف سے ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق، یہ تو ماضی بعید کا واقعہ ہو گیا۔ حال بھی ایسے امور سے اور بالخصوص ان حضرات کی طرف سے خالی و پاک نہیں۔

یہ عمل فقہاء سے عناد کا باعث

آپ حضرت امام کی یہ تصریح بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جب آدمی حضرات

؎ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۲۰۲۔

فقہاء کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے اور اب بھی مذاہب اربعہ ان سے تعلق کے لیے واسطہ ہیں۔ تو دوسری جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ تو ہیں ہی حضرات فقہاء کے مقدس گروہ سے بغض و عناد بھی انکے دلوں میں بھر جاتا ہے اور پھر وہ اس راہ کے صواب سے ہی محروم رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب اپنے مقالہ میں فرماتے ہیں:

> ''موجودہ جماعت اہل حدیث جس نے امتداد زمانہ کے ساتھ اب ایک مستقل فقہی مسلک کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور جس کے افراد کی اکثریت میں کم از کم میں نے تقلید اور حنفیت سے عناد کا سلبی داعیہ عمل بظاہر الحدیث کے ایجابی رجحان سے زیادہ پایا[1]''

گمراہی کی بنیادو جڑ

یہی نہیں بلکہ فقہاء کے مسالک سے صرف نظر اور بالخصوص براہ راست استدلال واستنباط اور ظواہر حدیث پر عمل بسا اوقات بڑی گمراہی وفساد کا باعث بنا کرتا ہے۔ اور اس پر تو بہت کھلی اور صریح الفاظ میں اپنے وقت کے ایک ممتاز اہل حدیث عالم بلکہ اس جماعت کے قائد اور مسلک کے سرگرم داعی مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ) کی شہادت موجود ہے۔ جو مختلف کتابوں میں منقول ہے اور انہیں کے رسالہ اشاعت السنۃ (جلد ۱۱، ص: ۴، مطبوعہ ۱۸۸۸ء) میں موجود ہے وہ فرماتے ہیں:

> ''پچیس سال کے تجربہ کے بعد ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہوجانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے[2]''

---

[1] الفرقان، ص: ۲۷۶، وتذکرہ ولی اللہ، ص: ۱۴۷۔ وغیرہ۔

[2] الفرقان، ص: ۲۷۶، وتذکرہ ولی اللہ، ص: ۱۴۷۔ وغیرہ۔

موصوف گھر کے آدمی ہیں، تجربہ زیادہ رکھتے ہیں، یہ ان کے تلخ تجربات ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر آگئے ہیں موصوف اخیر میں اپنی دعوت وسرگرمی سے تائب ہوکر گوشہ نشین ہو گئے تھے[۱]۔

نورِ باطنی کی قید

حضرت امام نے تفہیمات کے اندر ایک موقع پر ''اصل راہ شریعت'' اور اس کے انکشاف پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اصل وپسندیدہ چوں کہ یہی ہے اس لیے اسی کو اختیار کرنا چاہیے اور اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ صحاح ستہ اور موطا وغیرہ مشہور کتب حدیث کا علم حاصل کیا جائے اور ان کی روشنی میں حقیقت کو سمجھا جائے آخر میں فرمایا:

> ''اس ذخیرۂ احادیث سے اصل راہ کو سمجھنا محض ان احادیث کے جان لینے پر موقوف نہیں بلکہ اسکے ساتھ ایک نور باطنی کی ضرورت ہوتی ہے جو ذات باری کا عطا کردہ ہوتا ہے[۲] اور ظاہر ہے کہ یہ نور ہر ایک کو نہیں ملا کرتا۔

سابقہ تصریحات اور دیگر محققین

یہاں اس کا تو موقع نہیں ہے کہ حضرت امام نے اجتہاد وتقلید کے موضوع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے سب کو جمع کر دیا جائے اور نہ ہی اس کا موقع ہے کہ دیگر علماء ومحققین نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو ذکر کیا جائے یا اس سے حضرت موصوف کی تحریرات وآراء کا موازنہ ومقابلہ کیا جائے۔

تاہم یہ عرض ہے کہ حضرت امام نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا اکثر وبیشتر حصہ وہ

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۲۸۔

[۲] تفہیمات، ج:۱، ص:۵۹۔

ہے جو حضرات محققین ہر دور میں فرماتے رہے ہیں حضرت موصوف نے اپنی صواب دید سے اس میں سے انتخاب فرمایا ہے نیز موقع بموقع اپنی آراء کا بھی اظہار کیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ تقلید اور عمل بالحدیث میں افراط وتفریط کی کیفیت پر کھل کر تنقید حضرت والا ہی نے فرمائی ہے اسلئے کہ اس سلسلہ کا جو افراط آپ کے سامنے اور مشاہدہ وتجربہ میں آیا ان میں سے اکثر حضرات کو اس سے سابقہ نہیں پڑا[۱]۔

گذشتہ تفصیلات کا خلاصہ

گذشتہ تمام تر تفصیلات سے حضرت امام کی تحقیقات کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ:

"(۱) نفس تقلید بمعنی اسلاف پر اعتماد اور ان کی طرف رجوع، ہر زمانے میں اس کا وجود رہا، عامی وعالم ہر ایک کے حق میں، اور یہ مجتہد پر بھی واجب ہے۔

(۲) اور تقلید شخصی کا عام وجود ۲۰۰ھ سے ہوا اور اس کا شیوع وعموم ۴۰۰ھ کے بعد سے ہوا۔

(۳) ۴۰۰ھ کے بعد سے، عام پست ہمتی، خواہشات کے غلبہ اور خود رائی پر اصرار وناز کی وجہ سے سوادِ امت کا مذاہب اربعہ کی تقلید پر برابر اتفاق رہا۔

(۴) اگرچہ یوں تو کسی بھی مذہب پر عمل کی اور مذاہب اربعہ سے باہر رہنے کی بھی اجازت ہے۔ جبکہ یہ عمل موجب فساد وانتشار نہ ہو لیکن:

(۵) بہتر مذاہب اربعہ پر ہی عمل ہے، اس لیے کہ ان کی باضابطہ تدوین ہوئی ہے ان کی اتباع میں سوادِ اعظم کی اتباع ہے اور اس صورت میں عام فسادِ رائے اور بددیانتی کی وجہ سے پیدا ہونے والے بگاڑ سے بھی حفاظت ہے۔ بلکہ مذاہب اربعہ کی اتباع ایک الہامی امر ہے۔

(۶) جس جگہ یا جس کو ایک ہی مذہب کا عالم وکتاب میسر ہوں اس پر

---

[۱] ملاحظہ ہو منہاج اور اس کی شروح مالتحریر اور اس کی شروح، نیز اردو میں اکابر دیوبند کے رسائل۔

ایک ہی کی اتباع لازم ہے اس سے خروج حرام ہے۔
(۷) تقلید جامد عامی و عالم ہر ایک کے حق میں حرام ہے۔
(۸) عمل کے حق میں صرف متون فقہ یا احادیث پر اکتفا درست نہیں ہے دونوں کے درمیان جمع اور دونوں کی رعایت لازم ہے۔
(۹) حضرت امام نے ہر طبقہ و جماعت کے افراط و تفریط سے بیزاری کا اظہار کیا ہے"۔

حضرت امام کا طریق و عمل

اب تک جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اجتہاد و تقلید کی بابت حضرت امام کے نظریات تھے اور انکی آراء۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ خود حضرت موصوف کا کیا طریق تھا؟ اور انکا عمل کیا تھا؟ جبکہ انکا حال یہ تھا کہ ان پر نہ صرف یہ کہ مذاہب اربعہ بلکہ جملہ مذاہب فقہیہ کے اقوال مع دلائل و مآخذ، سلفاً عن خلف منکشف کئے گئے تھے اور گویا ہر مذہب و مکتب فکر کے مستنبط کردہ مسائل کا آپ کو علی وجہ البصیرۃ علم تھا۔
اس انکشاف کے ساتھ، آپ کا یہ طریقہ تھا کہ قدماء مجتہدین کی مانند کسی بھی قول پر عمل و فتویٰ کو اختیار کر لیا یا یہ کہ مذاہب اربعہ کی پابندی؟ اس پر دو چیزوں سے روشنی پڑتی ہے ایک تو حضرت کا ایک مکاشفہ دوسرے ایک سوال کا جواب۔

خصوصیت سے تین چیزوں کا حصول

یوں تو حضرت موصوف کے بیان و تصریح کے مطابق بذریعۂ انکشاف والہام اور حضور ﷺ کی روح مبارک کے ذریعہ بہت سی چیزیں حضرت کو حاصل ہوئیں لیکن تین چیزیں بالخصوص ایسی آپ کو دی گئیں جو آپ کی طبیعت و مزاج کے بھی بالکل خلاف تھیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلاثة امور خلاف ماكانت عندی و خلاف ماكانت طبیعتی تمیل الیه اشد میل".

"میں نے حضور ﷺ سے تین امور اپنے علم اور طبیعت کے شدید میلان کے خلاف حاصل کیے۔[1]"

حضرت موصوف کے علم کی حیثیت ظاہر ہے، جس کو خود حضرت موصوف سے ہی نقل کیا جا چکا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ آدمی کا اپنے علم و تحقیق کے خلاف کسی بات کو تسلیم کرنا اور عمل میں لانا انتہائی گراں ہوتا ہے اور یہ تینوں امور آپ کے علم و تحقیق اور ذوق و رجحان کے خلاف تھے۔

اس افادہ کی اہمیت

یوں تو "ملأ اعلیٰ" سے جس چیز کا حصول ہو وہ اہم ہے لیکن چوں کہ خصوصیت سے ان کا فیضان آپ پر ہوا اس لیے ان کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"فصارت هذه الاستفادات من براهين الحق تعالى".

"یہ استفادات اللہ کی جانب سے مجھ پر حجت و برہان ہیں۔[2]"

ظاہر ہے کہ حجت و برہان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خصوصیت سے انکو عطا کر کے انکے ماننے پر مجھ کو گویا مجبور کر دیا گیا ہے نہ ماننے پر گرفت کا سوال ہے۔

مذاہب اربعہ کی پابندی کی تاکید و وصیت

اس تمہید کے بعد تینوں امور کی وصیت کو بیان کیا ہے جن میں سے دوسری

---

[1] فیوض الحرمین، ص: ۶۳۔

[2] فیوض الحرمین، ص: ۶۳۔

وصیت بایں الفاظ ذکر فرمائی ہے۔

''ان مذاہب اربعہ کی پابندی کی تاکید و وصیت کہ میں ان سے
باہر نہ نکلوں اور جہاں تک ہو سکے تطبیق سے کام لوں''

یہ پابندی طبیعت کے بالکل خلاف

آگے فرماتے ہیں:

**''وجعلني تأبى التقليد وتأنف منه رأسا ولكن شيء
طلب مني التعبد به بخلاف نفسي''.**

''حالاں کہ میری طبیعت تقلید سے انکار کرتی ہے اور اس سے
بالکلیہ نفرت کرتی ہے۔ لیکن کیا کروں کہ میرے جی کے خلاف اسی
عمل وعبادت کا مجھ سے مطالبہ کیا گیا ہے[1]''

اس وصیت کی مصلحت

حضرت موصوف نے اس کے بعد اس کی اہمیت کو بایں الفاظ بھی ظاہر فرمایا ہے:

**''وهنا نكتة طويت ذكرها وقد تفطنت بحمدالله تعالى
سر هذه الجبلة وهذه الحصاة''.**

''یہاں پر ایک نکتہ ہے جس کا ذکر میں نے ترک کر دیا ہے اور میں
اپنی اس طبیعت اور اس وصیت دونوں کے راز کو بخوبی سمجھ چکا ہوں[2]''

یعنی یہ وصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اس میں در پردہ ایک راز ہے،
حضرت موصوف نے اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا
راز ہے ممکن ہے یہی فساد وانتشار وغیرہ کا خدشہ ہو جسے بعض مواقع پر حضرت نے

---

[1] فیوض الحرمین، ص:۶۴۔

[2] فیوض الحرمین، ص:۶۴۔

بھی ظاہر فرمادیا ہے۔

حضرت کا اس وصیت پر عمل

حضرت نے طبیعت کے خلاف اس وصیت وتاکید پر پورا پورا عمل کیا اور اپنے آپ کو مذاہب اربعہ کا پابند رکھا جیسا کہ آپ ہی کی ذکر کردہ ایک تصریح سے بلکہ آپ کے ذکر کردہ فقہی مسائل سے معلوم ہوتا ہے۔

طریق عمل اپنی ذات کے حق میں

''کلمات طیبات'' میں ایک موقع پر حضرت سے منقول ہے کہ حضرت نے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اپنے طریق عمل کو ذکر فرمایا ہے، متعلقین میں سے ایک صاحب خواجہ محمد امین نے سوال کیا:

''آپ کا عمل کس فقہی مذہب پر ہے؟''

آپ نے جواب دیا:

> ''بقدر امکان مذاہب مشہورہ کے درمیان جمع کرتا ہوں مثلاً روزہ، نماز، وضو، غسل، اور حج وغیرہ اس طور پر انجام دیتا ہوں کہ تمام اہل مذاہب اس کو صحیح سمجھتے ہوں، ہاں جبکہ جمع دشوار ہو تو دلیل کی رو سے جو مذہب زیادہ قوی ہو اور صریح حدیث کے زیادہ موافق ہو اس پر عمل کرتا ہوں اور خدا نے اس قدر علم عطا فرمایا ہے کہ ضعیف وقوی کے درمیان اچھی طرح فرق کیا جاسکتا ہے[1]''

پیچھے آپ حضرت امام کی تصریح پڑھ چکے ہیں کہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے تمام مذاہب مٹ گئے بس یہی چار مذاہب باقی رہ گئے ہیں اور اب یہی مشہور مذاہب ہیں- اور حضرت امام نے مذکورہ وصیت کی بنا پر انہیں مذاہب پر عمل کا اپنے آپ کو

---

[1] کلمات طیبات ص:۱۶۱۔

پابند بنالیا تھا۔

اتفاقی صورت جو نکل سکتی اس کو اختیار فرماتے ورنہ پھر دلائل کی قوت وضعف پر غور فرما کر کوئی رائے اختیار فرماتے۔

مذکورہ وصیت اور حضرت کا عمل

ظاہر ہے کہ حضرت موصوف کو جو وصیت اس درجہ تاکید کے ساتھ کی گئی تھی حضرت کے طریق عمل کو اس سے جدا کر کے سمجھنا اور اس سے جدا قرار دینا، عقل وقیاس کے خلاف ہے۔ جب حضرت نے ''مذاہب اربعہ'' کی ہی پابندی کی وصیت وتاکید ذکر کی ہے تو لامحالہ اپنے عمل کی تفسیر بھی اس بنیاد پر فرمائی ہوگی اور جیسا کہ ذکر کیا گیا حضرت ہی کی تصریح کے مطابق مذاہب مشہورہ سے مراد مذاہب اربعہ ہی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف مجتہد مطلق نہ تھے ورنہ مذاہب اربعہ کی رعایت کا اور عدم رعایت کی صورت میں ان مذاہب کے اس قول پر جو کہ اقرب الی الحدیث الصحیح ہو، اس پر عمل کا کیا سوال وجواز؟ مجتہد تو صرف اپنے اجتہاد پر عمل کا مامور ہے۔

ایک غلط فہمی

کلمات طیبات کی مذکورہ تصریح سے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ انہوں نے حضرت کو مذاہب اربعہ کی تقلید وپابندی سے آزاد یعنی اپنے مانند غیر مقلد قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپکے سامنے بعض اہلحدیث حضرات کی تحریرات آچکی ہیں۔

حالانکہ جیسا کہ تمہیدی بیان میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ کسی کے نظریہ ومسلک کو محض دو ایک بیانات سے نہیں سمجھا جاسکتا اور حضرت کی دیگر تصریحات اس

مطلب ومفہوم سے انکار کرتی ہیں جو صاحب "حیات ولی" اور صاحب "تاریخ الدعوۃ" نے بیان کیا ہے۔

حضرت امام کے ذکر کردہ مسائل

حضرت امام مذاہب اربعہ کے ہی پابند تھے اسکی ایک بڑی وقوی دلیل وہ مسائل ہیں جو حضرت موصوف نے مؤطا کی عربی وفارسی شرحوں (یعنی المصفی اور المسوی) میں نیز موقع بموقع حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمائے ہیں۔

اس ناقص العلم کو فقہ حنفی کی فروعات کا ہی وافر مقدار میں علم نہیں تو مذاہب اربعہ یا دیگر مذاہب کے اقوال وفروعات کے علم کا کیا سوال۔

تاہم اس پہلو کے ذہن میں آنے پر غور کے بعد جو چند مسائل ایسے ذہن میں آئے جن میں بالخصوص اہلِ ظواہر، حضراتِ اہل حدیث اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کے اختلافات حضرات اساتذہ سے سنے یا بعض کتابوں میں نظر سے گذرے ہیں، تو ان میں حضرت امام کے قول کو حضرات ائمہ اربعہ کے مذاہب واقوال کے موافق ہی پایا۔

مثلاً اس سلسلہ کا ایک معرکتہ الآراء مسئلہ تین طلاقوں کا بیک لفظ یا بیک مجلس، واقع کرنا ہے، حضرت موصوف نے جمہور کی ہی تائید فرمائی ہے[1]۔

ایک اور معرکتہ الآراء مسئلہ تراویح کی نماز کی سنیت وتاکید نیز اس کی رکعتوں کی تعداد ہے۔ اس میں بھی حضرت نے ائمہ اربعہ کی موافقت فرمائی ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے وتر کے ساتھ تیئیس رکعتوں کو رواج دیا اس کی بڑی عمدہ توجیہ بھی فرمائی ہے چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

"وذلک انهم رأوا النبی صلی الله علیه وسلم شرع

---

[1] مسوی ومصفی، ج:۲، ص:۲۸۔

للمحسنين احدى عشرة ركعة في جميع السنة فحكموا انه لاينبغي أن يكون حظ المسلم في رمضان عند قصده الإقتحام في لجة التشبه بالملكوت أقل من ضعفها".

"نماز تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اس لیے کہ حضرات صحابہ نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ نے محسنین (یعنی طاعت کا عام ذوق اور نوافل سے دلچسپی رکھنے والوں) کے لیے پورے سال میں گیارہ رکعتیں شروع فرمائی ہیں تو انہوں نے سوچا کہ عام مسلمان جو ماہ رمضان میں خصوصیت سے عالم ملکوت سے مشابہت پیدا کرتا ہے اس کا حصہ کم از کم اس مقدار کے دوگنے سے کم نہ ہو۔"[1]

اور موطا کی فارسی شرح میں فرماتے ہیں:

"سر در تعیین ایں عدد آنست کہ حضرت عمر بفراست منورہ خود دریافت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در قیام سائر ایام ترغیب فرمودہ واز فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یازدہ رکعت ثابت شدہ ودر قیام رمضان آں ترغیب را موکد بیاں فرمودہ پس انسب آں دید کہ آں عدد را مضاعف فرماید، چوں ملاحظہ عدد وتر ضرور بود یک رکعت دیگر افزود۔"

"اس عدد کی تعیین میں راز یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی فراست ایمانی ونورانی سے یہ سمجھا کہ حضرت اقدس ﷺ نے تو تمام سال کو نماز نفل پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور حضور کے عمل سے کل گیارہ رکعتیں ثابت ہیں اور رمضان کے حق میں اس ترغیب کو اور موکد نیز زیادہ فرمایا ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس کے عدد کو دوگنا کردیا جائے (اور گیارہ کا دوگنا بائیس ہوتا ہے) لیکن چوں کہ عدد کے طاق ہونے کی بھی رعایت ضروری تھی اس لیے بائیس پر ایک کا اضافہ کردیا اور کل تیئیس رکعتیں رکھیں بیس تراویح کی اور تین وتر کی۔"[2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۲، ص:۱۸۔ [2] مسوی ومصفی، ج:۱، ص:۱۷۷۔

مذاہب اربعہ کی پابندی قطعی

مذکورہ وصیت، حضرت کے طریقِ عمل اور حضرت کے ذکر کردہ مسائل کی بنیاد پر یہ بات قطعی ہے کہ حضرت نے مذاہب اربعہ کو بہر حال اختیار کر رکھا تھا، اور حضرت کی تحقیق و تطبیق اور عمل کا محور یہی مذاہب تھے لیکن یہ پابندی تمام مقلدین کی طرح محض تقلیدی نہ تھی بلکہ مبنی بر تحقیق تھی۔

رہی یہ بات کہ اس کے ساتھ ہر چہار پر عمل یکساں تھا یا یہ کہ کسی ایک سے خاص نسبت اور اس کی رعایت زیادہ تھی اور اس کے ساتھ موقع کی مناسبت سے دوسرے مذاہب پر بھی عمل کو روا رکھتے تھے بلکہ عمل فرماتے تھے اس کی تحقیق اگلے مقالہ کا موضوع ہے۔

حضرت کے اس ذوق کی خاص بنیاد

یوں تو حضرت امام کا تبحر علمی اور ملأ اعلیٰ سے ان پر علوم کے القاء و انکشافات نے حضرت کے ذہن و دماغ کو وہ جلا بخشی تھی جس کی بنیاد پر انہوں نے تحقیق مذاہب کے طریقہ و صورت کو اختیار فرمایا تھا۔ لیکن اس کی ایک خاص بنیاد جس کے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس نے ابتداءِ امر سے آپ کے ذہن میں یہ بات ڈالی اور بٹھائی کہ عالم اور عامی کی تقلید کے درمیان نمایاں فرق ہے اور یہ کہ تقلید کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر معاملہ میں انسان آنکھ بند کر کے عمل کرنے لگ جائے۔ بلکہ اہل علم کے شایانِ شان تحقیق کے بعد اور تحقیق کے مطابق عمل کرنا ہے اگرچہ یہ عمل تقلید اور مذہب کی پابندی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔

وہ خاص بنیاد حضرت کے والد محترم کا طرز عمل ہے وہ حنفی تھے اور وقت کے ممتاز علماء احناف میں ان کا شمار تھا اسی وجہ سے فتاویٰ عالم گیری جیسی فقہ حنفی کی عظیم

الشان کتاب کی ترتیب وتدوین میں آپ کو شامل کیا گیا تھا۔ اگرچہ بعد میں وہ اس کام سے علیحدہ ہو گئے [1]۔

اور اپنی محققانہ حنفیت کے ساتھ وہ عام فقہاءِ زمانہ کی طرح محض متونِ فقہ اور اقوال فقہاء پر اعتماد واستناد کرنے والے نہ تھے بلکہ اس تحقیق کے قائل اور اس پر عامل تھے جس میں فقہ حنفی اور اسکے مسائل کی ہی پابندی لازم نہ تھی۔ چنانچہ آپ نے صاحبِ حیات ولی کے الفاظ میں انکے طرز عمل کو ملاحظہ فرمالیا ہے اب خود حضرت امام سے والد بزرگوار کے طرز عمل اور طریق عمل کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کا طریق عمل

حضرت امام نے اپنی کتاب ''انفاس العارفین'' کے اندر (جس میں انہوں نے اپنے خاندانی احوال اور خاندانی بزرگوں کے حالات کو جمع کیا ہے) اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب کے طریق عمل کو بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

مخفی نماند کہ حضرت ایشاں در اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل میکردند الا بعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا وجدان بمذہب دیگر ترجیح می یافتند از آنجملہ آنست کہ در اقتدا سورہ فاتحہ می خواندند و در جنازہ نیز''

''یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت محترم اکثر امور میں مذہب حنفی کے مطابق ہی عمل کرتے تھے ہاں بعض چیزیں جن میں حدیث یا وجدان کی رو سے دوسرے مذاہب کے اقوال کو راجح سمجھتے، ان میں دوسرے مذاہب واقوال پر عمل کرتے۔

ایسی چیزوں میں سے یہ ہے کہ حضرت محترم امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ اور نماز جنازہ میں بھی [2]''

یعنی شاہ عبدالرحیم صاحب بھی محققین احناف میں سے تھے، اور اپنے اس

---

[1] انفاس العارفین، ص: ۶۸۔۶۹۔ [2] انفاس العارفین، ص: ۷۰۔

اہم اختلاف کے باوجود مقلد وحنفی ہی سمجھے جاتے تھے۔

عوام وافتاء کے حق میں طریق کار، مستفتی کی رعایت

خواجہ محمد امین صاحب کے سوال کا جو جواب ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل حضرت کا دیا ہوا پورا جواب نہیں ہے۔ حضرت نے تفصیلی جواب دیا ہے اور اپنے جواب کے دو حصے فرمائے ہیں۔ پہلے حصے میں اپنے عمل کے حق میں اپنے طریق کار کو ذکر فرمایا ہے اور دوسرا حصہ عوام مستفتین کے حق میں ہے۔ فرماتے ہیں:

"فتویٰ میں مستفتی کے حال کے مطابق کام کرتا ہوں کہ جس مذہب کا مقلد ہو اسی مذہب کے مطابق اسکو جواب دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے مذاہب مشہورہ میں سے ہر ایک سے متعلق علم وواقفیت عطا فرمائی ہے۔[۱]"

عبارت بالا کا حاصل

عبارت مذکورہ بالا کا حاصل چند امور ہیں:

ایک تو یہ کہ حضرت موصوف مجتہد مطلق نہ تھے، اگر مجتہد مطلق ہوتے تو جواب میں مستفتی کے حال کی رعایت کا کیا سوال، خود اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ مذاہب اربعہ کے جملہ اقوال کے درمیان صحت وضعف کی تمیز کی صلاحیت کے باوجود حضرت امام مستفتی کے مذہب کی رعایت فرماتے ہیں حالاں کہ اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دینے اور مذاہب کی رعایت نہ کرنے میں اس اعتبار سے کوئی قباحت نہ تھی کہ معتمد علماء نے عوام کو اجازت دی ہے کہ حسب موقع جو عالم مل جائے اس سے مسئلہ پوچھ کر عمل کریں خواہ وہ کسی مسلک ومذہب کا ہو اور حضرت کے اس طریق عمل کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ۔

---

۱ کلمات طیبات، ص: ۱۶۱۔

مستفتی کے مذہب کی رعایت الجھن سے بچانے کے لیے

ایک دیندار مستفتی جو عمومی حالات میں کسی ایک مذہب کا پابند ہو وہ اگر کسی معاملہ کی بابت کسی عالم سے سوال کرتا ہے تو اکثر و بیشتر اپنے معمول بہ مسلک و مذہب کے مطابق ہی حکم معلوم کرنا چاہتا ہے، اور جواب میں اگر کسی دوسرے مذہب کا حکم بتایا جائے تو مفتی پر اعتماد و اطمینان کی وجہ سے اس پر عمل تو کر لے گا لیکن اس کا ضمیر مطمئن نہیں ہوگا اور اس کو ایک قلبی خلش و الجھن ہوگی اور خواہ مخواہ بالخصوص دینیات کے باب میں کسی کو الجھن میں ڈالنا نا مناسب ہی نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ حضرت موصوف اسی خلش و الجھن سے بچانے کے لیے مستفتی کے مذہب کی رعایت فرماتے۔

خلفشار و انتشار کی رعایت

اور کیا بعید ہے کہ اس رعایت کی بنیاد محض خلفشار و انتشار سے بچنا ہو، جس کی بنا پر حضرت امام کو مذاہب اربعہ کی پابندی کا حکم ملا تھا اور جس کی رعایت کے ساتھ حضرت امام نے مذاہب اربعہ سے کنارہ کشی کی اجازت دی ہے بلکہ حضرت امام کی تصریح کے مطابق اس کو ملحوظ رکھنے کی شرط کے ساتھ ہی مذاہب اربعہ کا ترک جائز ہے، ورنہ دوسرے مفاسد کے ساتھ اس میں ایک مفسدہ یہ بھی ہوگا۔ اور یہ ایسا اہم و بڑا مفسدہ ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

حضرات اہل حدیث سے

یہاں پہنچ کر حضرات اہل حدیث سے ہماری ایک درخواست ہے کہ:

حضرت والا کے رجحانات و خیالات اور نظریات کا لب لباب اور خلاصہ گذشتہ صفحات میں آپ کے سامنے آچکا ہے اس کی روشنی میں یہ حضرات اپنے

اپنے دعاوی وخیالات اور طریق عمل کو ملاحظہ فرمائیں کہ آیا یہ سب کچھ ان تمام تصریحات کے موافق ومطابق ہے یا یہ بقول مولانا نعمانی:

"میں نے اہل حدیث کہلانے والے دوستوں اور بزرگوں میں جن کو کچھ معتدل اور غیر متعصب بھی پایا۔ انکو بھی حضرت شاہ صاحب کے مسلک سے بہت دور پایا۔ اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ حضرات کس بنیاد پر حضرت شاہ صاحب کو اپنا پیشرو کہتے ہیں[۱]"

غور فرمایئے کہ:

(۱) حضرت نے تقلید کو جائز فرمایا اور اس کو شرک قرار دیا گیا۔

(۲) حضرت نے مذاہب اربعہ کی تقلید میں مصالح بیان فرمائے اور اس کو گمراہی کی جڑ قرار دیا گیا۔

(۳) حضرت نے مذاہب اربعہ کی تقلید کی تاکید فرمائی اور اسکو غلط و مذموم ٹھہرایا گیا۔

(۴) حضرت نے مذاہب اربعہ کی تقلید کو الہامی امر فرمایا اور اسے خدا اور رسول کے منشاء کے بالکل خلاف بتایا گیا۔

(۵) حضرت نے ہندوستان جیسے ملکوں میں امام ابوحنیفہ کی تقلید لازم قرار دی اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کو ہی مورد طعن و تشنیع بتایا۔

(۶) حضرت نے علی سبیل التنزل عدم فساد وانتشار کی شرط کیساتھ مذاہب سے خروج وعدم تقلید کی اجازت دی اور اسکو ہی اصل بنالیا گیا اور اسکے پیچھے سب کچھ کیا گیا۔

(۷) حضرت نے ظاہریت سے براءت کا اظہار فرمایا اور انکو اس کا امام قرار دیا گیا۔

(۸) حضرت نے اپنے حق میں مذاہب اربعہ کی تقلید کی وصیت اور عمل کا ذکر فرمایا اور ان کو اسکے خلاف بتایا گیا۔

(۹) حضرت نے فتاویٰ میں اہل استفتاء کے مسلک کی رعایت کی، اور یہاں بیک

---

[۱] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۲۰۳۔

لفظ تین طلاق دینے کے بعد احناف کو حلّت کا فتویٰ دیا گیا۔ اور لوگ پوچھیں یا نہ پوچھیں ترک فاتحہ کی وجہ سے ان کو نماز کا فساد باور کرایا گیا۔

(۱۰) حضرت امام کے ان اخلاف کو جن کی تربیت حضرت موصوف کے ذوق ومزاج کے مطابق ہوئی تھی اور وہ حضرت کے مسلک و مذہب یعنی حنفیت وتقلید مع التحقیق پر گامزن تھے، ان کو حضرت کی راہ سے ہٹا ہوا بتایا گیا۔
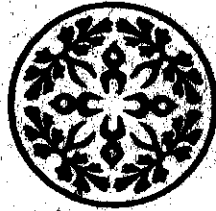
حضرت امام دہلویؒ کا فقہی مذہب

یہ بات تو صاف ہوگئی کہ حضرت امام دہلویؒ مذاہب اربعہ کے پابند تھے، رہی یہ بات کہ اس پابندی کے ساتھ حقیقی طریق عمل کیا تھا؟

(۱) مذاہب اربعہ کے درمیان جمع اور حسب موقع اتفاقی یا باعتبار دلائل قوی حکم کو اختیار کرنا، جیسا کہ ان کے طریق عمل سے متعلق ذکر کردہ گذشتہ تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) یا ان میں سے بعض کے درمیان جمع، جیسا کہ بعض عبارات سے اندازہ ہوتا ہے جو آئندہ ذکر کی جانے والی ہیں۔

(۳) یا کسی ایک مذہب کی طرف انتساب اپنی اجتہادی صلاحیت اور تبحر عملی کی وجہ سے اپنے ذاتی اختیارات کے ساتھ جیسا کہ ماضی میں بہت سے مقلد علماء محققین کرتے رہے اور حضرت موصوف کی تصریحات کا ایک بڑا حصہ اس پر شاہد ہے۔ اس مقالہ میں اسی امر کی تحقیق مقصود ہے۔

اکابر اہل علم کی آراء

گذشتہ مقالہ کے آغاز میں جہاں آپ نے دو رائیں حضرت امام کے مقلد نہ ہونے کی ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے معا بعد بعض اکابر اہل علم و محققین کی آراء اس

رائے کے بالمقابل بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں، جن میں حضرت امام کے متعلق تقلید وحنفیت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ تصریحات دونوں ہی امور پر دلالت کرتی ہیں یہاں ان کا ذکر کرنا طول کا باعث ہوگا۔ بس مختصراً یوں سمجھ لیں کہ وہاں پر ان کے ذکر سے حضرت کی حنفیت کے ضمن میں تقلید کو ثابت کرنا تھا۔ اور یہاں ان کا ذکر تقلید کے بعد حنفیت کے اثبات کے لیے ہوگا۔

آپ نے مولانا نعمانیؒ، مولانا یوسف بنوریؒ، مولانا صدیق حسن بھوپالی اور علامہ محسن بن یحییٰ تیمی کا بیان ملاحظہ فرمالیا ہے نیز مولانا سندھی اور مولانا مناظر احسن گیلانی سے بھی یہی بات منقول ہے[1]۔

حضرت کے بیانات

گذر چکا ہے کہ حضرت کے قلم سے فقہی مذاہب کے سلسلہ میں تین باتیں منقول ہیں جمع تمام مذاہب کے درمیان، جمع بالخصوص حنفیت اور شافعیت کے درمیان، اور حنفیت۔

جمع بین المذاہب

گذشتہ مقالہ کے آخر میں آپ فیوض الحرمین کا ایک مکاشفہ اور خواجہ محمد امین کے سوال کے جواب میں حضرت کا جواب ملاحظہ فرما چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کا عمل ان مذاہب کے درمیان جمع کا تھا۔

جس کی دو صورتیں تھیں ایک تو یہ کہ ایسے قول وصورت کو اختیار کیا جائے جس پر باعتبار جواز کے ہر چہار مذاہب متفق ہوں۔

اور دوسری یہ کہ اگر ایسا ناممکن ہو تو کسی ایک مذہب کا وہ قول لے لیا جائے جو

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص: ۳۰۳۔

ان میں سب سے زیادہ حدیث سے قریب ہو۔

حنفیت اور شافعیت کے درمیان جمع

حضرت کی بعض تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خصوصیت سے اس کی رعایت فرماتے تھے کہ ایسا قول وصورت اختیار کیا جائے کہ جس پر حضرات احناف وشوافع کا اتفاق ہو۔ ورنہ بدرجۂ مجبوری دوسرے مذاہب سے یا کسی ایک سے اقرب الی الحدیث کو اختیار فرما لیتے۔

اس بابت ایک بیان خصوصیت سے "تفہیمات الٰہیہ" میں آیا ہے جو واضح بھی زیادہ ہے اور اسلوب والفاظ کے اعتبار سے بھی اس بیان سے زیادہ اہم ہے۔

حنفی وشافعی مذاہب زیادہ مشہور ومتبوع

فرماتے ہیں:

"ونشأ فی قلبی داعیة من جهة الملأ الاعلی تفصیلها ان مذهبی ابی حنیفة والشافعی هما مشهوران فی الامة المرحومة وهما اکثر المذاهب تبعا وتصنیفًا".

"ملأ اعلی کی طرف سے میرے دل میں ایک خاص داعیہ پیدا ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ امت میں سب سے زیادہ شہرت کے حامل فقہی مذاہب دو ہیں، حنفیت اور شافعیت اور تمام مذاہب میں انہیں دونوں پر عمل بھی زیادہ ہے اور تصنیفات بھی"۔

ہر دو مذاہب کے خواص اتباع

"وکان جمهور الفقهاء المحدثین والمفسرین والمتکلمین والصوفیة متمذهبین بمذهب الشافعی وجمهور الملوك وعامة

الیونان متملھبین بمذھب ابی حنیفۃ"۔

"چنانچہ فقہاء محدثین ومفسرین اور متکلمین وصوفیہ کا مذہب تو عام طور سے شافعیت تھا۔اور بادشاہوں نیز یونانیوں (اوران کے علاقوں کے رہنے والوں نیز ان کا ذوق ومزاج رکھنے والوں) کا مذہب عام طور سے حنفیت رہا"۔

ملأ اعلیٰ کا منشاء

"وان الحق الموافق لعلوم الملأ الاعلی الیوم ان یجعلا کمذھب واحد یعرضان علی الکتب المدونۃ فی حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفریقین فما کان موافقابھا یبقی ومالم یوجد لہ اصل یسقط"۔

"اوران دنوں ملأ اعلیٰ کے علوم کے موافق منشا یہ ہے کہ دونوں مذاہب کو ایک کردیا جائے اس طرز پر کہ پہلے تو دونوں کو احادیث نبویہ کی کتابوں پر پیش کیا جائے۔ان میں سے ہر ایک کے جو اقوال ومسائل احادیث کے موافق ہوں وہ تو باقی وبرقرار رہیں۔اور جن کی کوئی اصل نہ مل سکے وہ ترک کردیے جائیں"۔

اتفاقی مسائل

"والثابت منھا بعد النقد ان توافق بعضھا بعضا فذلک الذی یعض علیہ بالنواجد"۔

"پھر احادیث کی موافقت کی بنا پر، ہر دو مذہب کے باقی رہ جانے والے مسائل جو ایک دوسرے کے موافق ہوں ان کو تو مضبوطی سے اختیار کیا جائے"۔

اختلافی مسائل

"وان یخالف، تجعل المسئلة علی قولین ویصح العمل علیهما اویکون من قبیل اختلاف احرف القرآن اوعلی الرخصة والعزیمة اویکونان طریقین للخروج من المضیق کتعدد الکفارات اویکون اخذا بالمباحین المستویین لایعدو الامر هذه الوجوه ان شاء الله تعالیٰ"۔

'اور جو مسائل باہم مختلف ہوں انکے لیے مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو قول مان لیے جائیں اور دونوں پر عمل جائز ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اختلاف ایسا ہی سمجھا جائے جیسے حضور ﷺ کے زمانے میں اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد تک قرآن مجید کو مختلف لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک کو عزیمت پر اور دوسرے کو رخصت پر محمول کیا جائے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ تنگی و مشقت سے نکلنے کے دو راستے قرار دیے جائیں جیسے قسم وغیرہ میں کئی قسم کے کفاروں کا ہونا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ دونوں پر عمل بدرجہ مُباح امور پر عمل کے ہو۔

بہرحال انہیں صورتوں میں سے کسی ایک سے کام چل جائیگا ان سے باہر انشاء اللہ نہ جانا پڑے گا۱"

حنفیت

تیسری چیز جو حضرت امام کی تصریحات میں ملتی ہے وہ حنفیت ہے اور حق یہ

۱۔ ملاحظہ ہو الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر۔

ہے کہ حنفیت سے متعلق آپ کی تصریحات وتائیدات جس مقدار وتعداد میں نیز جس انداز میں ہیں باقی دو پہلوؤں سے متعلق اتنی اور اس انداز کی تحریرات وتائیدات نہیں ملتیں۔اس بابت تین چیزیں ہمارے سامنے ہیں:

اوّل خود آپ کا اپنے متعلق حنفی ہونے کا اعتراف۔

دوم فیوض الحرمین کے وہ مکاشفات جن میں آپ کے لیے فقہ حنفی کی خوبیوں کی نشاندہی کی گئی ہے نیز ان کے ضمن میں آپ کی توضیحات۔

سوم آپ کے بیانات سے الگ ایک خارجی قرینہ جو کم اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ قرینہ ہے آپکے اخلاف اور انکا طریق عمل۔سب سے پہلے تو حضرت کا اعتراف ملاحظہ ہو۔اور اسکے بعد پھر مزید کسی چیز کی ضرورت ہرگز نہیں رہ جاتی۔لیکن تاکید وتوثیق کی غرض سے امرِ دوم،وامرِ سوم کی بھی وضاحت ضروری جائیگی۔

حنفیت سے متعلق حضرت کا ذاتی اعتراف

حضرت کے فقہی مذہب سے متعلق جو تصریحات دستیاب ہو سکی ہیں ان میں ایک اہم بلکہ سب سے اہم چیز خود حضرت کا تحریری وقلمی اعتراف ہے کہ آپ نے خود اپنے قلم مبارک سے اپنے لیے حنفیت کی نسبت اختیار فرمائی ہے بایں لفظ "الحنفی عملاً" (عمل کے اعتبار سے حنفی) یہ اعتراف کس موقع پر فرمایا ہے اور کہاں محفوظ وموجود ہے، تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

ہمارے ملک کے مشہور کتب خانے "کتب خانہ خدا بخش پٹنہ" میں بخاری شریف کا ایک قلمی نسخہ ہے جس کے کاتب حضرت امام کے ایک شاگرد شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح بلگرامی الہ آبادی ہیں اور حسب تصریح کاتب اس نسخہ کی تصحیح انہوں نے مکرر وسہ کرر استاذِ محترم کی نگرانی میں کی ہے اور یوں یہ نسخہ حضرت امام کے حلقۂ درس میں استعمال ہوا ہے اور بعد میں شاہ عالم کے زمانے میں ۱۱۸۴ھ

میں محمد ناصح نامی کسی شخص نے اس کی دوبارہ تصحیح کی ہے یہ نسخہ دوجلدوں میں اور ۸۰۸ صفحات میں ہے اصل کتاب تو ۷۴۹ پر پوری ہو جاتی ہے اور اس صفحہ پر کاتب کے اختتامی کلمات اور تصحیح ثانی کی بھی تحریر موجود ہے۔

اس کے بعد ۷۵۰ سے ۷۵۷ تک حضرت امام کے دستخط کے ساتھ مزید اجازاتِ حدیث مرقوم ہیں ہر ہر کتاب کی اجازت علیحدہ علیحدہ پوری سند کے ساتھ مذکور ہے۔

پھر ۷۷۷ تک کچھ احادیث درج ہیں اور ۷۷۷ سے ۸۰۷ تک حضرت امام کا رسالہ "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین" منقول ہے پھر حضرت کے دستخط کے ساتھ اجازت تحریر ہے اور اخیر میں حضرت کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین صاحب کی تصدیق ہے کہ یہ تحریر حضرت والد محترم کی ہی ہے۔

ص: ۷۵۰ سے لے کر ۷۵۷ تک جو اجازت نامے آئے ہیں ان کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"کتبہ بیدہ الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم الودود، ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین بن معظم.........
العمری نسباً، الدھلوی سکونۃً، الأشعری عقیدۃ، الصوفی طریقۃ، الحنفی عملاً، و الحنفی و الشافعی درسا الخ"

اس تحریر میں حضرت موصوف نے خود کو باعتبارِ عمل حنفی اور باعتبارِ درس و تحقیق حنفی شافعی قرار دیا ہے۔

ایک نکتہ

قاعدہ ہے کہ اختصار کے ساتھ جب تعارف کرانا مقصود ہو تو نسبت کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے کہ کلماتِ نسبت مختصر مگر جامع ہوتے ہیں اور بسا اوقات کئی سطر و صفحہ کے مضامین کو اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں اور اس تحریر میں حضرت موصوف

نے اپنے نام کے ساتھ اسماء نسبت کا ہی استعمال فرمایا ہے۔

اس تحریر کی قدر و قیمت

یہ تحریر مختلف وجوہ سے بڑی قدر و قیمت رکھتی ہے ؛

اوّل تو یہ کہ خود حضرت کے دست و قلم کی تحریر ہے۔

دوم یہ کہ آپ کے نام و نسب، فکر و مشرب، عقیدہ و مذہب، سب کو جامع ہے۔

سوم یہ کہ یہ تحریر ۱۱۵۹ھ کی ہے جبکہ حضرت کی عمر ۴۵ سال تھی اور حضرت کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی تو وفات سے تقریباً سولہ سترہ سال پیشتر کی ہے۔ اس طرح یہ تحریر اس وقت کی ہے جب کہ آپ عمر کا بڑا حصہ علمی خدمات و عالی تحقیقات میں گذار چکے تھے اور گویا نتائج اپنے تلامذہ کے سامنے پیش فرما رہے تھے۔

یہ صریح شہادت

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت موصوف نے اس تحریر میں کلمات نسبت کے ذریعہ گویا اپنا مکمل تعارف کرادیا ہے اور اپنے طور و طریق سے ہر ایک کو روشناس کرادیا ہے چنانچہ نسبت، جائے سکونت، اعتقادی مکتبِ فکر، روحانی مشرب، اور فقہی مذہب کا بھی ذکر آگیا ہے، اس سے صریح و وقیع کیا شہادت ہوسکتی ہے آپ کے فقہی مسلک پر۔

اور اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو کہ چوں کہ موقع بموقع آپ فقہ شافعی کے مسائل کا تعارف و تذکرہ اور ان کے لیے استدلال اس طور پر فرماتے کہ [illegible] میں اس کا سننے والا اس کی بنیاد پر آپ کے متعلق شافعی المسلک ہونے یا کسی بھی مسلک کا پابند نہ ہونے کا گمان کرسکتا تھا اس لیے آپ نے الحنفی عملاً تحریر [illegible] اور اس کے مقابل اس پہلو کے نظر "الحنفی والشافعی درساً" بھی

فرمایا کہ وہ سارا بیان وتحقیق اور زور استدلال درس وتدریس کی حد تک ہے فقہی مذہب اور عمل سے اس کا واسطہ نہیں ہے۔

اس صریح شہادت کے بعد مزید اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں رہ جاتی اور نہ ہی کسی کے لیے دوسرے دعویٰ کی گنجائش رہ جاتی ہے لیکن مزید تاکید اور اتمام حجت کے لیے باقی دونوں پہلوؤں کی بھی وضاحت کی جاتی ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

اس موقع پر ایک اہم فروگذاشت کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ ایک صاحبِ قلم عالم مولانا عبدالقیوم صاحب مظاہری (مقیم حال کانپور) نے ''تذکرہ شاہ ولی اللہ'' کے عنوان سے حضرت امام کی مفصل سوانح تحریر فرمائی ہے۔اس میں اس شہادت کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں چند تسامحات ہیں جو درج ذیل ہیں:

اوّل یہ کہ انہوں نے حضرت امام کے شاگرد کا نام ''چراغ محمد'' ذکر کیا ہے جب کہ ان کا نام ''شیخ محمد بن پیر محمد'' آیا ہے۔

دوم یہ کہ مسئلہ زیر بحث سے متعلق الفاظ انہوں نے حنفی عملاً وتدریساً ذکر کئے ہیں حالانکہ الفاظ یہ ہیں ''**الحنفی عملاً والحنفی الشافعی درساً**''۔

احقر نے خدا بخش کتب خانہ میں خود بخاری کا نسخہ دیکھا ہے اور وہاں سے تحریر بھی منگائی تھی۔

دوسری تحریری شہادت

اس تحریر کے علاوہ مزید بعض تحریریں بھی اس امر کی شہادت ہیں۔تذکرہ آچکا ہے کہ اجتہاد وتقلید کے موضوع پر حضرت امام کا ایک معروف رسالہ ''عقد الجید'' ہے اس رسالہ کے مندرجات سے جہاں تقلید واجتہاد کی بابت حضرت کے رجحان

وذوق کا پتہ چلتا ہے وہیں اس کے بعض مقامات سے حنفیت کے ساتھ حضرت کے تعلق کا بھی علم ہوتا ہے۔اس لیے کہ اس میں حضرت نے افتاء وفتاوئی کے سبب سے ایسے اصول بھی بیان فرمائے ہیں جو صرف حنفی مذہب کے دائرہ کار میں کام آسکتے ہیں دوسرے مذاہب میں نہیں [1]۔

حضرت امام نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ایک موقع پر فرمایا ہے:

''ووجدت بعضهم لا يميز بين قولنا: ليست الاشارة في ظاهر المذهب - وقولنا ظاهر المذهب انها ليست كذلك [2]''.

میں نے بعض علماء کو دیکھا کہ وہ ہمارے اس قول کہ ''اشارہ ظاہر مذہب میں نہیں ہے'' اور یہ کہ ''ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے'' دونوں باتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ظاہر مذہب کی تعبیر واصطلاح فقہ حنفی کے ساتھ خاص ہے ظاہر مذہب میں کسی چیز کا نہ ہونا اور بات ہے اور یہ کہ ظاہر مذہب میں یہ حکم اس طرح نہیں ہے۔یہ دوسری بات ہے۔

حنفیت اور فیوض الحرمین کے مکاشفات

عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت کی تصنیفات میں فیوض الحرمین بڑی اہمیت کی حامل ہے اس لیے کہ اس میں حضرت امام نے ان تمام چیزوں کو جمع کردیا ہے جو ان کو عالم غیب سے بذریعہ مکاشفہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یا حضور ﷺ کی روح اقدس سے حاصل ہوئیں اور حرمین پاک میں ان کا القاء ہوا، اپنی اہم خدمات کے سلسلہ میں خود انہوں نے جگہ جگہ ان کا ذکر فرمایا ہے اور آپ کے سوانح نگاروں نے بھی موقع بموقع ان کو پیش کیا ہے اور آپ کی نمایاں عملی خدمات کا سلسلہ بھی انہیں

---

[1] عقد الجید۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۲، ص:۱۲۔

چیزوں کے بعد شروع ہوا ہے، اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کے فقہی مذہب کی تعیین کے سلسلہ میں فیوض الحرمین کے ان مکاشفات کو بنیاد بنایا جائے۔ جیسا کہ آپ کے مقلد ہونے کی بابت اسی کے ایک مشہد سے استدلال کیا جاتا رہا ہے اور میں نے بھی کیا ہے۔

فیوض الحرمین کا سیاق وسباق

قبل اس کے کہ ان مکاشفات پر بحث کی جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "فیوض الحرمین" کے سیاق وسباق پر بھی مختصراً روشنی ڈالی جائے تا کہ نفس کتاب اور بالخصوص ان کے ان مکاشفات کی اہمیت اور قدر وقیمت واضح ہو سکے۔

تعلیم سے سفر حجاز تک

حضرت امام ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور پندرہ سال کی چھوٹی سی عمر میں والد محترم نے ظاہر وباطن ہر اعتبار سے تکمیل فرما کر آپ کو تدریس وارشاد کی اجازت دیدی اور ۱۱۳۱ھ میں والد محترم کی وفات کے بعد محض سولہ سال کی عمر میں مسند تدریس وارشاد کو سنبھال لیا اور بارہ سال کی مدت تک کلی طور پر درس وتدریس میں اس درجہ انہماک پیدا کیا کہ خود ہی فرمایا ہے:

> "حضرت والد کی وفات کے بعد کم از کم بارہ سال کی مدت تک
> اس ناچیز نے پوری پابندی کے ساتھ درس وتدریس کا کام کیا"۔

اور یوں تو تعلیم ہی انتہائی مکمل انداز پر اور حضرت والد کو جن علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت تھی ان پر پوری دسترس کے ساتھ ہوئی تھی اس بارہ سالہ انتہائی انہماک والی تدریسی زندگی نے مزید اس پر کام کیا اور بقول آپ کے:

"واظب هذا الفقيه بعد وفاة الوالد على تدريس

الكتب الدينية والعقلية اثنى عشر عاما على الأقل وحذق وتعمق في كل علم وفن".

"ہر علم وفن میں حذاقت حاصل ہوئی اور علوم کی تہوں و گہرائیوں تک پہنچنا نصیب ہوا۔"[1]

سفر حرمین

یہ بارہ سالہ مدت ۱۱۴۳ھ میں پوری ہوتی ہے اس کے بعد حضرت نے اسی سال حرمین شریفین کا سفر فرمایا اس سفر کا آغاز ۱۱۴۳ھ میں اور واپسی ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔ حرمین شریفین میں قیام کی کل مدت چودہ مہینے رہی[2]۔ اس مدت میں حضرت نے دو حج فرمائے گویا حرمین حضرت کا پہنچنا ۱۱۴۳ھ ذیقعدہ یا ذی الحجہ کے آغاز میں ہوا اور واپسی محرم ۱۱۴۵ھ میں یا اس کے مابعد۔

خصوصی استفادات

حرمین کے سوا سالہ قیام میں جہاں آپ نے ظاہری علوم کے اعتبار سے بڑے فوائد حاصل کئے وہیں باطنی اور روحانی اعتبار سے بھی اہم اور قیمتی فوائد حاصل کئے جن میں سے ایک بڑی مقدار کا تعلق حضرت امام کے ملک ووطن کے سیاسی اور ملی ومذہبی حالات سے تھا۔ انہیں روحانی فوائد وفیوض کے مجموعہ کو واپسی پر آپ نے "فیوض الحرمین" کے نام سے مرتب فرمایا جیسا کہ خود آپ نے رسالہ کے آغاز میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"احسبت ان اضبط اسرار تلك المشاهدة كما علمنية ربى تبارك وتعالىٰ وكما استفدته من روحانية نبينا صلى الله عليه وسلم تذكرة لى وتبصرة لاخوانى عسى ان

---

[1] الامام الدہلوی، ص:۱۴۰۔ [2] ملفوظات عزیزی، ص:۹۳۔

يكون ذلك اداء لبعض ما وجب علي من شكرها".[1]

"میرا جی چاہتا ہے کہ ان مشاہدات کے اسرار کو جمع کروں جیسا کہ مجھے حضرت رب تبارک وتعالی نے سکھایا اور جیسا کہ میں نے حضور ﷺ کی روحانیت مقدسہ سے استفادہ کیا تا کہ یہ مجموعہ میرے لیے نصیحت کا باعث ہو اور میرے بھائیوں کے لیے سامان بصیرت ہو ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ مجھ پر ان استفادات کا جو شکر واجب ہے اس کی کچھ ادائیگی ہو سکے۔[1]"

سفر حرمین کی اہمیت

یوں تو حج کو ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد جاتے رہتے ہیں لیکن حضرت امام نے جو ظاہری و باطنی فوائد اپنے مبارک سفر میں حاصل کئے ان کی بنا پر حضرت امام کا سفر حرمین بڑی اہمیت کا حامل ہے چنانچہ آپ کا ایک سوانح نگار رقم طراز ہے:

"لم تكن رحلة الامام الدهلوى هذه رحلة عادية الى الحج والزيارة فحسب ولكنها كانت نقطة تحول فى حياته فتحت آفاقا جديدة واسعة ومجالات فسيحة التفكير والبحث وروح الاجتهاد والاصلاح والتجديد فقد استفاء من الحرمين الشريفين فائدة ظاهرة وباطنة روحية ونهل من مناهلهما العلمية والروحية والفكرية الصافية العذبة وقد سجل الانطباعات".

"حضرت امام کا یہ سفر حرمین عام لوگوں کے عادی سفر حج وزیارت کے سفر کی طرح نہ تھا بلکہ وہ ان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ جس نے ان کے لیے فکر و بحث، اجتہاد واصلاح اور تجدید کے نئے آفاق اور وسیع میدان کھول دیئے۔ انہوں

---

[1] فیوض الحرمین، ص: ۳۰۔

نے حرمین میں ظاہری فوائد بھی حاصل کئے اور باطنی وروحانی بھی، اور اسکے علمی اور روحانی وفکری صاف وشیریں چشموں سے خوب اپنی پیاس بجھائی، اور بعد میں حضرت امام نے اپنے انہیں قلبی تاثرات اور فوائد وفیوض کو جن سے آپ کے دل وروح سرشار ہورہے تھے اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں جمع فرمایا ہے۔[1]"

خود حضرت امام نے بھی اپنے سفر کی اہمیت کا ایک درجہ ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

"من اعظم نعم الله تعالى على ان وفقنى لحج بيته وزيارة نبيه عليه افضل الصلاة والسلام سنة ثلث واربعين والتى تليها من القرن الثانى عشر".

"اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے بارہویں صدی کے تینتالیسویں سال اور چوالیسویں سال، اپنے پاک گھر اور اپنے نبی ﷺ کی زیارت کی توفیق وسعادت بخشی"۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

واعظم من هذه النعمة بكثير ان جعل الحج حج الشهود والمعرفة لاحج الحجب والنكرة وزيارة زيارة مبصرة لازيارة عمياء فتلك نعمة اعظم عندى من جميع النعم".

"اور اس نعمت سے کہیں بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ اس حج کو حجاب واجنبیت کا حج نہیں رکھا بلکہ شہود ومعرفت (یعنی اپنے انوار کی تجلیات اوران سے استفادہ) کا حج بنایا اور زیارت بھی اندھی (بے فائدہ وبے ثمرہ) زیارت نہیں بلکہ بصیرت افروز وبصارت فزود۔ یہ نعمت تو میرے نزدیک تمام ہی نعمتوں سے بڑی ہے"۔[2]

---

[1] امام الدہلوی، ص: ۱۸، ۱۹۔

[2] فیوض الحرمین، ص: ۳۔

سفر سے پہلے کی علمی حیثیت

اس سفر سے پہلے بارہ سال کی مدت تک آپ نے انتہائی انہماک کیساتھ جو تدریسی مشغلہ اختیار فرمایا تھا اسکے متعلق آپ خود حضرت امام کا اعتراف ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس تدریسی مشغلہ نے آپ کو عقل ونقل دونوں میں حذاقت وتعمق کی حد تک پہنچا دیا تھا، ظاہر ہے کہ حضرت کے والد اور استاذ خاص ومربی شاہ عبدالرحیم صاحب حنفی تھے اس لیے بنیادی طور پر آپ نے ان سے فقہ حنفی کا ہی درس لیا تھا اور پھر اس کی تدریس کو مشغلہ بنایا تھا۔ ایک تو درس وہ بھی پورے انہماک یعنی مطالعہ وتحقیق کے ساتھ اس کا وہ نتیجہ ہونا ضروری تھا جسے مولانا سندھی نے ذکر فرمایا ہے:

> ''شاہ صاحب اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد بارہ سال تک دہلی میں درس دیتے رہے یعنی جو کچھ انہوں نے اپنے والد صاحب سے سیکھا تھا وہ ان کے دماغ میں راسخ ہو گیا[۱]''

یعنی حنفیت پوری تحقیق کے ساتھ راسخ ہو گئی اور آپ پر کلی طور پر اسی کا اثر رہا، مولانا بنوری فرماتے ہیں:

> ''جب تک ہندوستان میں تھے اور حرمین شریفین کی زیارت کو نہیں گئے تھے آپ پر فقہ حنفی کا اثر تھا[۲]''

حرمین کے اساتذہ اور ظاہری استفادات

آپ یوں تو والد محترم سے حدیث کی بھی تکمیل کر چکے تھے لیکن چوں کہ حرمین میں ہر زمانے میں درس حدیث کے خصوصی حلقے ہوا کرتے تھے اور مختلف کتابوں کا درس ہوتا تھا، مختلف مذاہب کے علماء محققین درس دیا کرتے تھے، آپ

[۱] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۰۵۔
[۲] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۶۹۔

نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے فائدہ اٹھایا اور خصوصیت سے تین حضرات کے درس میں شریک ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

اوّل شیخ وفد اللہ بن سلیمان مغربی۔ جو کہ مالکی المسلک تھے، دوم شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی، اور وہ شافعی تھے اور سوم شیخ تاج الدین حنفی۔ ہر ایک سے ان کے مسائل کی نسبت سے اہم و اصولی حدیث کی کتابوں کا درس لیا، چنانچہ اوّل سے مؤطا امام مالک پڑھی اور دوم سے صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث کے بعض بعض اجزاء اور تیسرے صاحب سے مؤطا امام محمد اور کتاب الآثار خاص طور سے پڑھیں اور بعض دوسری کتب کے بھی کچھ اجزاء پڑھے[۱]۔

جمع بین المسالک کا خیال

آپ کی حنفیت تو والد کے درس اور اپنی تدریس کی بناء پر ہندوستان کے زمانۂ قیام ہی میں راسخ ہو چکی تھی، حرمین میں شیخ تاج الدین سے "مؤطا امام محمد و کتاب الآثار" کے تدریسی استفادہ نے مزید بصیرت و رسوخ پیدا کیا، حرمین کے خصوصی استفادات نے مزید دو فقہی مذاہب سے نہ صرف واقفیت بلکہ بصیرت عطا کی، شیخ ابوطاہر کردی سے تفصیل کے ساتھ بخاری شریف پڑھنے نیز کتاب الام کے ذاتی مطالعہ کی بنا پر فقہ شافعی پر گہری نظر ہو گئی، اور شیخ وفد اللہ مغربی کے مؤطا امام مالک کے درس نے فقہ مالکی سے بھی پوری مناسبت پیدا کر دی، اور اس طرح فقہ کے تین مکاتب سے آپ کا خصوصی تعلق قائم ہو گیا، اور فقہ حنبلی کا معاملہ یہ ہے کہ چوں کہ امام احمد بن حنبل باضابطہ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اس لیے بقول مولانا بنوریؒ:

> "امام احمدؒ کا مذہب حقیقت میں امام شافعیؒ کے مذہب کی فرع ہے، بلکہ ظاہریت و اجتہاد میں ایک برزخ ہے[۲] مشکل سے امام احمدؒ کا

---

[۱] الامام الدہلویؒ، ص: ۱۹۰۔

[۲] اسی لیے ابن تیمیہ و ابن قیم جیسے حنبلی محققین کو ظاہری سمجھ لیا گیا، ۱۲۔

کوئی قول ملے گا کہ مذہب شافعیؒ کی کوئی روایت اس کے مطابق نہ ہو۔[۱]"

اس لیے اگر چہ "فقہ حنبلی" کی آپ نے باضابطہ تحصیل نہیں کی لیکن فقہ شافعیؒ کے ضمن میں نیز حضرات اساتذہ کی بدولت فقہ حنبلی کا بھی وافر علم حاصل ہو گیا۔

اور اس مرحلہ پر پہنچ کر آپ نے جب یہ محسوس کیا کہ اختلاف مذاہب بھی امت کے درمیان اختلاف و گروہ بندی کا بڑا باعث ہے تو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس اختلاف کو دور کرنیکی غرض سے چاروں مذاہب کو ایک دوسرے سے قریب کیا جائے، یعنی ان کے درمیان جمع و تطبیق سے کام لیا جائے اور پھر اختلاف اقوال و مسائل سے پاک وصاف ایک مسلک تیار کیا جائے، بالخصوص اس وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت نے فیوض الحرمین کے ایک مکاشفہ میں ذکر فرمایا ہے:

"مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ قائم الزماں ہوں"

جس کا مفہوم خود آپ ہی کے الفاظ میں رفع نزاع اور قیام صلاح و اصلاح ہے، ایک اور مکاشفہ میں اس چیز کو بایں الفاظ ذکر فرمایا گیا ہے:

"تمہارے متعلق حق تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ تمہارے ذریعہ امت مرحومہ کے شیرازہ کو جمع کرے"۔

اور شیرازہ بندی کیلئے ہر قسم کے اختلافات کا ازالہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔

مکاشفات کن حالات میں

بہر حال آپ پر تمام فقہی مذاہب کے درمیان جمع و تطبیق کا خیال غالب ہے، اور آپ پورے طور پر اس کے لیے فکر مند ہیں اور یہی وہ زمانہ ہے کہ غیبی علوم کے دروازے آپ پر کھول دیئے گئے ہیں اور آپ کو اصولاً وہ تمام چیزیں عنایت کی جارہی ہیں جن سے آپ کو واپسی کے بعد اپنے ملک اور عوام و معاشرہ کی اصلاح میں کام لینا تھا، چنانچہ آپ نے واپسی کے بعد ملک میں اصلاح و تجدید کی جو تحریک

---

[۱] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص: ۳۷۰۔

چلائی خواہ اس کا تعلق کسی شعبے سے ہو اس کی بنیادیں حرمین کے انہیں روحانی افادوں اور غیبی اشاروں پر قائم تھیں، یہی وجہ ہے کہ مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں:

"کیا شاہ صاحب کی اس عبقریت اور نابغیت میں صرف ان کے دل و دماغ کو دخل ہے، ممکن ہے کچھ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہوں...... اگر شاہ صاحب کے متعلق کوئی وثیقہ مجھے نہ ملا ہوتا تو شاید میں بھی اسی قسم کی بات کہہ کر یا سن کر چپ رہتا۔ لیکن الحمد للہ کہ سفر حجاز سے پہلے اور سفر حجاز کے بعد شاہ صاحب کی دونوں زندگیوں اور ان کارناموں میں جو نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے، اس کی تہ میں جو حقیقی سبب کارفرما ہے وہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے، جو سمجھا جاتا ہے[۱]"

بہر حال اس زمانے میں جہاں ایک مکاشفہ کے ذریعہ آپ کو پابند تقلید رہنے کی وصیت کی جاتی ہے کچھ مکاشفات آپ کے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن سے اصلاً یا ضمناً حنفیت کی تحسین و توثیق اور گویا اس تحسین و توثیق کے ذریعہ اس پر عمل پیرا رہنے کی آپ کو تاکید کی جاتی ہے، بلکہ ایک مکاشفہ میں تو صراحت کے ساتھ اس کی مخالفت سے ممانعت کی گئی ہے۔

حنفیت کی توثیق، جمع و تطبیق کے رجحان کو ختم کرنے کے لیے

کیوں نہ ہم کہیں کہ اس جمع و تطبیق کے خیال و رجحان کے دور میں یہ رہنمائی محض اس بناء پر تھی کہ اس کا پورا پورا امکان تھا کہ حضرت موصوف واپسی کے بعد اپنی اصلاحی تحریکات کا ایک جزء ان مذاہب کے اختلافات کے ازالہ کو بناتے جن کا پابند رہنے کی آپ کو خصوصی وصیت کی گئی تھی، اور جو اختلافات فی الواقع امت کے لیے باعث اختلاف و افتراق نہیں بلکہ رحمت و سہولت کا باعث اور بسا اوقات تنگیوں سے شرعی چھٹکارہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت امام نے

---

[۱] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۲۱۳۔

خود بھی عقد الجید میں ایک موقع پر ذکر فرمایا ہے:

"والشافعي ومالك والنعمان واحمد بن حنبل وسفيان وعندهم من سائر الائمة على هدى والاختلاف رحمة".

"امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ وسفیان اور ان کے علاوہ بھی دیگر تمام ائمہ سارے کے سارے ہدایت پر ہیں، اور (ان کا باہمی) اختلاف رحمت ہی ہے[۱]"

ہندوستان اور حنفیت

ہندوستان کا حال فقہ کے باب میں یہ رہا ہے کہ یہاں اسلام اور حنفیت کا چولی ودامن کا ساتھ رہا ہے، اس سلسلہ میں مولانا سندھی کا بیان پڑھئے:

"ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں حنفی فقہ برسر اقتدار رہی، شروع اسلام سے یہاں سوائے فقہ حنفی کے اور کوئی فقہ معلوم ہی نہیں ہوتی، ایران کے اثر سے شیعہ حکومت یہاں قائم ہوئی، مگر وہ اسکول ہی الگ ہے، اس سے ہماری بحث نہیں، مسلمانانِ ہند کی اکثریت حنفی مذہب کی پابند ہے۔ ہند میں جب اسلام آیا تو یہاں کے ایک بڑے حصے نے اس کو اجنبی سمجھا مگر کافی زمانے کے تامل وتعاون اور بڑی بڑی سلطنتوں اور بڑے بڑے حکماء اور صوفیہ کی محنتوں سے ہندوستانی قوم نے اسلام کو اپنی چیز بنالیا، یہ اسلام ان کے قلوب اور اذہان میں حنفی صورت میں آیا، اس لیے حنفیت ہندوستانی قوم کا قومی مذہب ہے، اب یہاں کوئی مصلح ومجدد اس طرح بھی کام نہیں کر سکے گا کہ جہاں حنفیت کی رعایت ممکن ہو وہاں بھی اس کی پروانہ کرے، اس مذہب نے ہندوستان میں اتنا توسع پیدا کرلیا ہے کہ ہر محقق کے لیے حنفیت سے باہر جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی[۲]"

---

[۱] عقد الجید، ص: ۹۶۔

[۲] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۲۳۳۔

اسی وجہ سے مولانا ہندوستان میں حنفیت کے وجوب اور باقی مذاہب کے گوارہ کر لینے کے قائل ہیں[۱]۔

اس عام تعامل میں جمع بین المذاہب کا اثر

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قدرت خداوندی کو حضرت امام سے مستقبل میں عظیم اصلاحی کام لینا تھا، اور ملک کی تمام تر دینی وسیاسی اور علمی وعملی جدوجہد کا ان کو مرکز ونقطہ بنانا تھا، اور اگر اصلاح وتجدید کے لیے کسی باب وشعبہ میں کسی ایسی کلی مخالفت کا اظہار کیا جاتا جس سے امت آشنا نہ تھی تو اس کی وجہ سے حالات اصلاح وتجدید کے لیے سازگار ہونے کے بجائے بد سے بدتر ہو جاتے اور پھر کسی بھی شعبہ میں کام کرنے کا موقع نہ رہ جاتا۔

مرکزی طور پر فقہ حنفی کی پابندی

اس لیے کم از کم اس ملک کے حق میں آپ کو مرکزی طور پر فقہ حنفی کا پابند بنادیا گیا، اور اس کی حدود سے نکلنا ممنوع قرار دیا گیا، کسی موقع پر حنفیت کی توثیق وتصویب اور فقہ حنفی کے مسائل واقوال میں سے ''اقرب الی الحدیث'' کے انتخاب کی راہ بتا کر اور کسی موقع پر صراحتاً مخالفت سے منع فرما کر اور چونکہ آپ کو مذاہب اربعہ کی فقہ پر بلکہ ان کے واسطے سے اور ''علمی فیضان الٰہی'' کی بدولت تمام ہی مذاہب کی فقہ پر عبور حاصل تھا، جس کی بناء پر آپ کی طبیعت میں تقلید کو اختیار کرنے کی بابت کوئی انشراح نہیں تھا، اور اسی وجہ سے آپکو مصلحتاً پابند کیا گیا جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اس موقع پر مقصود ومطلوب کو مختلف اسلوب وانداز سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ علم فقہ کی عظیم وسعت کے ساتھ ساتھ آپ

۱۔ ایضاً۔

زیادہ سے زیادہ فقہ حنفی کی طرف مائل ہوگئیں، اور آپکے سینہ کو اصولی طور پر فقہ حنفی کی تائید و تقویت کے لیے اس درجہ کھول دیا گیا کہ مولانا گیلانیؒ فرماتے ہیں:

''(حضرت امام کی تصنیفات و تحقیقات نے) حدیث فہمی کا جو معیار پیش کیا ہے اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی جو راہیں اشاروں اشاروں میں شاہ صاحب نے اہل فہم کے سامنے کھولی ہیں سچی بات یہ ہے کہ آج حنفیت علی بصیرۃ من ربہ ان ہی بنیادوں پر قائم ہے[۱]''

فیوض الحرمین کے مکاشفات

اس مختصر سی تفصیل کے بعد اب ''فیوض الحرمین'' کے مکاشفات کو ملاحظہ فرمایئے، مکاشفات جن کو حضرت امام نے ''مشاہد'' سے تعبیر کیا ہے ان کی تعداد کل ۴۷ ہے۔ حضرت امام نے ہر ایک کے وقوع کی تاریخ ضبط نہیں فرمائی ورنہ ان کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا، لیکن انداز ترتیب سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہی ان کے وقوع کی بھی ترتیب ہے۔

حنفی مذہب احادیث منقحہ سے زیادہ قریب ہے

فقہیات سے متعلق سب سے پہلا مکاشفہ تو وہ ہے جو گذشتہ مقالہ میں ذکر کیا گیا، جس کے ذریعہ حضرت امام کو یہ علم حاصل ہوا کہ تمام مذاہب فقہیہ حضور ﷺ سے یکساں نسبت رکھتے ہیں، اس سلسلہ کا دوسرا مکاشفہ انیسواں مکاشفہ ہے اس کے ذریعہ حضرت کو کیا بتایا گیا فرماتے ہیں:

"عرضنی رسول اللہ ﷺ ان فی المذهب الحنفی طریقة انیقة هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه".

---

[۱] شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۲۰۰۔

> ''حضور ﷺ نے مجھ کو بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا بہترین طریقہ وپہلو ہے کہ جو تمام طرق میں سب سے زیادہ ان احادیث کے موافق ہے جن کی تدوین وتنقیح امام بخاری اور ان کے اصحاب کے عہد میں ہوئی[1]۔''

امام بخاری کے عہد میں تنقیح احادیث

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ یوں تو پہلی صدی کے آخر سے ہی حدیث کی جمع وتدوین کا کام شروع ہوا اور بہت سے حضرات نے اس میں حصہ لیا لیکن احادیث کی جمع وتدوین کے سلسلہ میں تنقیح یعنی احادیث کی جانچ وپرکھ، کاٹ وچھانٹ، رجال پر غور وفکر میں جو تحقیق امام بخاری اور ان کے اصحاب وتلامذہ اور تقریباً معاصرین کے عہد میں ہوئی اور جس کی امارت کا سہرا امام بخاری کے سر ہی ہے کہ انہوں نے اپنی نگاہ تحقیق کے مطابق ایک لاکھ صحیح احادیث کے مجموعہ سے چھانٹ کر چند ہزار احادیث کو اپنی ''جامع'' میں ذکر فرمایا ہے اور پھر باقی حضرات نے اسی انداز پر کام کیا ہے اس انداز کا کام دوسرے عہد میں کم از کم اس سے پیشتر نہیں ہوا اس لیے اس عہد میں ترتیب دیئے جانے والے احادیث کے مجموعے باعتبار استناد واعتماد زیادہ قیمت رکھتے ہیں، بہر حال اس مکاشفہ میں حضرت امام کو یہ بتایا گیا ہے کہ فقہ حنفی کے اس طریق میں ان احادیث منقحہ سے جتنی مناسبت وموافقت پائی جاتی ہے دوسرے مذاہب اور طریق اس سے محروم ہیں وہ بہترین طریقہ کیا ہے تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

طریقہ انیقہ کی تفصیل

اس مکاشفہ میں آگے چل کر درج ذیل الفاظ میں اس طریق کی تفصیل کی گئی ہے:

---

[1] فیوض الحرمین، ص:۶۴۔

"وذلك ان يوخذ من اقوال الثلاثة قول اقبلهم بها في المسئلة ثم بعدذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفين الذى علماء لحديث فربّ شيئ سكت عنه الثلاثة في الاصول وما تعرضوا لنفيه دولت الاحاديث عليه فليس بدمن اثباته والكل مذهب حنفي".

"اور وہ طریقہ یہ ہے کہ علماء ثلاثہ (یعنی امام صاحب اور صاحبین) کے اقوال میں سے جس کا قول حدیث کے معنی سے زیادہ قریب ہوا سے اختیار کیا جائے، پھر اس کے بعد ان حنفی فقہاء کے اختیارات پر عمل کیا جائے جو محدثین میں سے تھے اس لیے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ حضرات علماء ثلاثہ نے مذہب کی اصولی کتب میں ان سے سکوت اختیار کیا ہے اور نفی بھی نہیں فرمائی ہے، اور احادیث ان پر یعنی ان کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، تو ان کے ماننے بغیر چارۂ کار نہیں، اور یہ طریق عمل مذہب حنفی (پر ہی عمل) ہے اس سے باہر نہیں[۱]"

ہند میں مذہب حنفی کی مخالفت حق سے معارضہ

اس سلسلہ کا تیسرا مکاشفہ اکتیسواں مکاشفہ ہے اس میں اصلا یہ مذکور ہے کہ حضرت امام نے محض روحانی طور پر حضرت حق سے دریافت کیا کہ اسباب کا اختیار کرنا بہتر ہے یا انکا ترک، جواب میں خاص قسم کی خوشبو کے چند جھونکے محسوس ہوئے، جن میں سے دوسرے سے حضرت امام کے دل پر جو بات منکشف ہوئی وہ قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں:

"ان مرادالحق فيك ان يجمع شملا من شمل الامة

[۱] فیوض الحرمین، ص:۴۹۔

المرحومة بك ...... وإياك ان تخالف القوم فی الفروع فانه مناقضة لمراد الحق".

"تمہارے متعلق حق تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ تمہارے ذریعہ امت مرحومہ کے شیرازہ کو جمع کرے...... اور خبردار! فروع میں اپنی قوم (ہم وطنوں) کی مخالفت سے بچنا کہ یہ چیزیں حق تعالیٰ کی مراد سے معارضہ ومقابلہ ہیں[1]"

ظاہر ہے کہ انسان کی قوم اس کے ہم وطن، ہم مسکن اور ہم خاندان لوگ ہی کہلاتے ہیں اور حضرت امام کے ہم وطن ہندستانی تھے، جن کا عام فقہی مذہب، حنفیت ہی رہا، اس لیے اس مکاشفہ کی مراد اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ چوں کہ تم کو امت کو جوڑنے اور جمع کرنے کا کام کرنا ہے اس لیے ہندوستان میں رہتے ہوئے ہم وطنوں کی فروعات یعنی مسائل فقہیہ میں مخالفت کرنا حق تعالیٰ اور اس کی مراد سے معارضہ ہے، اس لیے کہ اس مخالفت کی بنا پر مقصود فوت ہوگا، بجائے اتحاد واتفاق کے خلفشار وانتشار پیدا ہوگا، لہٰذا اس کی اہمیت ظاہر ہے۔

مذاہب اربعہ پر بصیرت کی صورت میں طریق عمل کی تعلیم

چوں کہ حضرت امام کا تو معاملہ یہ تھا کہ مذاہب اربعہ پر بصیرت افروز نگاہ رکھتے تھے اس لیے مذکورہ بالا ہدایت پر دل میں خلش اور کھٹک پیدا ہوسکتی تھی، کہ آخر جب احادیث کی رو سے اطمینان دوسرے مذاہب کے اقوال پر ہے تو مذہب حنفی کا پابند کیسے رہا جائے، اور کیسے حق وتحقیق کے مقتضی کو چھوڑا جائے تو آگے ایک تدبیر کی تعلیم فرما کر گویا یہ اطمینان دلا دیا گیا کہ "فقہ حنفی" کے اقوال ومسائل میں اتنا توسع ہے کہ بوقت تحقیق ان سے باہر نہ جانا پڑے گا ہاں اس کے لیے خاص طریقے سے کام لینا ہوگا اور وہ حسب بیان حضرت امام یہ ہے:

---

[1] فیوض الحرمین، ص:۶۳۔

ثم كشف انموذجا ظهر لی منه كيفية وتطبيق السنة بفقه الحنفيه من الاخذ القول احد الثلاثة وتخصيص عموماتهم والوقوف علی مقاصدهم والاقتصار علی مايفهم من لفظ السنة وليس فيه تاويل بعيد ولاضرب بعض الاحاديث بعضا ولا رفضا الحديث صحيح لقول احد من الامة"۔

"پھر فقہ حنفی کے ساتھ احادیث کو تطبیق دینے کا ایک نمونہ وصورت کا مجھ پر انکشاف کیا گیا اور بتایا گیا کہ علماء ثلاثہ میں سے کسی ایک کے قول کو لے لیا جائے، ان کے عام اقوال کو خاص قرار دیا جائے، انکے مقاصد سے واقف ہوا جائے اور بغیر زیادہ تاویل سے کام لیے، احادیث کے ظاہری الفاظ کا جو مفہوم سمجھ میں آتا ہو اس پر اکتفا کی جائے نہ تو احادیث کو ایک دوسرے سے ٹکرایا جائے اور نہ ہی کسی حدیث صحیح کو امت کے کسی فرد کے قول کے پیش نظر ترک کیا جائے[1]"

حضرت امام نے اس طریق عمل کو "کبریت احمر" اور "اکسیر اعظم" قرار دیا اور کیوں نہ ہو کہ کبھی ایک مسئلہ کی بابت فقہاء مذہب کے مختلف اقوال ہوتے ہیں اور بسا اوقات ان کی بنیاد روایات پر ہوتی ہے اور حسب تصریح صاحب "جواہر مضیہ" علامہ کاسانی (صاحب بدائع) نے ایک موقع پر عملاً یہ بات ثابت کر دی ہے کہ فقہاء مذہب میں سے کسی نہ کسی کا قول روایات کے مطابق ضرور ملتا ہے[2]۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہیں کہ مذہب کو ترک کیا جائے۔

مکاشفہ ﴿۱۹﴾ اور ﴿۳۱﴾ کے درمیان فرق

مذکورہ بالا ہر دو مکاشفات کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یوں کہ ایک

[1] فیوض الحرمین، ص: ۶۳-۶۴۔ [2] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۲۶۔

تو پہلے میں محض موافقت کا طریقہ وصورت بتائی گئی ہے اور دوسرے میں اولاً فروع میں مخالفت کی ممانعت کی گئی ہے، پھر موافقت حدیث کی صورت ذکر کی گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ (۳۱) میں ذکر کردہ طریقہ موافقت بمقابلہ (۱۹) کے زیادہ عام ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اسی کی تفصیل ہے کیوں کہ (۳۱) میں موافقت کے علم کے لیے تین صورتیں خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں:

"۱ اوّل عام کو خاص کرنا۔ ۲ مسئلہ کی علت اور مجتہد کے مقصود کو سمجھنا۔ ۳ تھوڑی بہت تاویل کیساتھ محض الفاظ حدیث پر اکتفا"۔

حنفیت سے متعلق چوتھا مکاشفہ

اس سلسلہ کا آخری مکاشفہ ومشاہدہ چھیالیسواں مشاہدہ ہے یہ مشاہدہ جن حقائق پر مشتمل ہے ان کی بنا پر سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس کے آغاز میں حضرت امام نے ایک تمہید بھی قائم فرمائی ہے:

ملت ومذہب اور ان کی حقیقت وحقانیت

پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ حضرت امام نے "ملت" سے شریعت نبویہ اور "مذہب" سے فقہی مذہب مراد لیا ہے اس موقع پر حضرت امام فرماتے ہیں:

"اعلم ان الملل والمذاهب توصف بالحقيقة: يقال ملة حقاً ومذهب حق"۔

"ملت اور مذہب دونوں کو حقیت (حق ہونے) کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے۔ (کہا جاتا ہے) ملة حقه (شریعت حقہ) اور مذہب حق (حق مذہب)"۔

آگے اس اتصاف کا معیار بیان فرمایا ہے:

"وبنظر الناظر فی وصف احدھما بذلك الی".

''جوشخص ان میں سے کسی ایک کوحقیت کے ساتھ متصف کرتا ہےوہ اس پرنظر رکھتا ہے کہ امر واقع اسکے مطابق ہے یانہیں"۔

پھر یہ''واقعہ''جس کی مطابقت وعدم مطابقت ناحق ہونے نہ ہونے کا معیار ہےاس کی بابت فرماتے ہیں کہ:

"فتأملنا حقیقة هذا الواقع الذی ان دافقه الشیئ کان حقا والا کان باطلاً ومعینین احدهما جلی والاخر دقیق یری من بعد".

''ہم نے''واقع'' کہ جسکے موافق جوشئ ہووہ حق کہلاتی ہےورنہ باطل کہی جاتی ہے اس کی حقیت پرغور کیا تو ہمارے سامنے اس کے دو مفہوم آئے ایک واضح دوسرا دقیق ومخفی جس کاحصول دیر سے ہوتا ہے"۔

معنی دقیق

کی توضیح کرتے ہوئے حضرت امام نے فرمایا ہے کہ:

"واما الدقیق الذی یری من بعد فان یکون الحق علم جمع شمال امة من الامم بأن یلهم مصطفی من عبارة باقامة ملة من الملل فیصیر خادمًا لارادة الحق منصبة لظهور تدبیره دوکذا نقیض مدده الغیبه فیقال فیه من اطاع هذا العبد فقد اطاع الله ومن عصاه فقد عرض الله".

''اس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کسی امت کی شیرازہ بندی کے خیال سے اپنے بندوں میں سے کسی منتخب بندے کو اس کا الہام فرماتے ہیں ۔وہ کسی ملت کی کج روی کو دور کرنے کا کام کرے چنانچہ وہ کام شروع کردیتا ہےاوراس کام کے کرنے کی وجہ سے وہ ارادہ حق کی خدمت انجام دینے والا اوراس کی تدبیر کے ظہور کا ذریعہ اوراس

کی غیبی مدد کے فیضان وسیلہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اس بندے کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کی نافرمانی خدا کی نافرمانی قرار پا جاتی ہے" الخ۔

مذہب کی حقیت

فرماتے ہیں:

"وكذلك المذهب وبما يكون العناية المتوجهة اليحفظ ملة حقة متوجها بحسب معدات الى حفظ مذهب خاص بان يكون حفظة المذهب يومئذ هم القائمين بالذب عن النحلة اويكون شعاء هم وفي قطر من الاقطار هو الفارق بين الحق والباطل محيفئذ ينعقد وجوه تشبيهي في الملأالاعلى او السافل بأن الملة هي هذا المذهب".

"مذہب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ کبھی ایک ملت کی حفاظت کی طرح حق تعالیٰ کی عنایت خود کسی مذہب کی حفاظت کی طرف بھی متوجہ ہوتی ہے۔ اس معنی کر کہ اس مذہب کے نگہبان و پیرو ہی اس وقت ملت کی جانب سے مدافعت کرنے والے ہوتے ہیں یا یہ کہ کسی علاقے میں انہیں کا شعار ہی حق و باطل کے درمیان وجہ فرق ہوتا ہے اور اس صورت حال کے پیش نظر ملأ اعلیٰ یا ملأ اسفل میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ ملت دراصل یہی مذہب ہے"۔

معنی دقیق کے حصول کا ذریعہ

حضرت امام فرماتے ہیں:

"واما المعنى الدقيق فلا يوقف عليه الابالنور النبوى

الكاشف عن احكام التدبير القاصر على البشر ولذلك قلنا ان هذا يرى من بعد".

''معنی دقیق سے واقفیت اس نبوی نور کی بدولت ہی ہوتی ہے جو انسان (اور اس کے ارادوں) پر غالب تدبیر کے احکام کو ظاہر کرتا ہے اور اس پر پڑے ہوئے پردوں کو دور کرتا ہے اسی لیے تو میں نے کہا ہے کہ معنی دقیق بڑے ہی غور وفکر کے بعد حاصل ہوتے ہیں[۱] "

معنی دقیق کی رو سے مذہب حنفی کا تمام مذاہب پر رجحان وغلبہ

اس اہم تمہید کے بعد حضرت نے اصل مشاہدہ اور اس کے مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"واذا تمهد هذا فنقول ترائى لى ان فى المذهب الحنفى سرًّ غامضًا ثم لم ازل اتحدف فى هذا السرّ الغامض حتى وجدت ما بينته وشاهدت ان لهذا الذهب يومنا هذا رجحانا على سائر المذاهب بحسب هذا المعنى الدقيق وان كان بعضها ارجح منه بحسب المعنى الاولى. وشاهدت ان هذا السر هو الذى ربما يدركه صاحب الكشف نوع ادراك فيرجح هذا المذهب على سائر المذاهب وربما يتمثل الهامًا بالتصلب فيه اوتشبح رؤيا حاثة على الأخت به".

''مجھے ایسا نظر آتا رہا کہ مذہب حنفی میں کوئی خاص بات اور اہم راز ہے میں برابر اس مخفی راز کو سمجھنے کے لیے غور وفکر کرتا رہا حتی کہ مجھ پر وہ بات کھل گئی جسے بیان کر چکا ہوں۔

میں نے دیکھا کہ معنی دقیق کے اعتبار سے اس مذہب کو ان دنوں

---

[۱] فیوض الحرمین، ص:۱۰۵۔

تمام مذاہب پر غلبہ و فوقیت حاصل ہے اگرچہ معنی اولی کے اعتبار سے بعض دوسرے مذاہب اس پر فائق ہیں۔

اور میرے سامنے یہ بات بھی آئی کہ یہی وہ راز ہے کہ جس کا بسا اوقات بعض ارباب کشف کسی درجہ ادراک کر لیتے ہیں اور پھر اس کو تمام مذاہب کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں اور بعض مرتبہ یہی راز تصلب و پختگی کی بابت الہام کے طور پر اور کبھی خواب کی صورت میں اس طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے اس مذہب پر عمل کے سلسلہ میں تحریض ہوتی ہے[۱]"۔

یہ قوی شہادت

اس مکاشفہ میں دین کے بڑے محافظوں کا اس مذہب سے ہونا جو مذکور ہے حالات کے آئینے میں اس کا جائزہ مناسب ہے کہ آخر کس قسم کی مدافعت کرنے والے اور کس انداز کی حفاظت کرنے والے مراد ہیں جن کا فقہی مذہب اس وقت ضعیف تھا۔ جبکہ افریقہ کے بعض علاقوں اور اندلس کا مذہب، مالکی اور حجاز و نجد او رشام و مصر میں عموماً شافعیت و حنفیت رائج تھی اور مشرقی مسلم ممالک عامۃ حنفی تھے تصنیف و تحقیق کی خدمات انجام دینے والے ممتاز علماء و محققین عامۃ حنفیت کے علاوہ دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔

بظاہر تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ملکی اور حکومتی سطح پر مدافعت اور حفاظت مراد ہے کہ اس میں اس وقت مذہب حنفی کے اتباع کو ہی امتیاز حاصل تھا۔ اس لیے کہ دنیا کا نظام تو عجیب و غریب ہے آج کسی کی حکومت کل کسی کی حکومت، اور آج کسی کا نام و شہرت اور کل کسی کا، اسلامی فتوحات نے ماضی کی دو عظیم سلطنتوں ایران و روم کی شان و شوکت خاک میں ملا کر اپنا رعب و دبدبہ قائم کیا تھا جس کا اصل دارومدار

---

[۱] فیوض الحرمین، ص: ۱۰۵۔

خلافت پر تھا جو خلفاء راشدین کے بعد ایک موروثی چیز بن گئی۔ بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ حضرت امام کے عہد میں عباسی خلافت کا تو چراغ گل ہو چکا تھا رفتہ رفتہ حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہ ہی اس کی بنیاد بن گئی تھی انہیں کے تلامذہ در تلامذہ اس کے قاضی و منصف بنا کرتے تھے اور ان کو اس باب سے کچھ مناسبت بھی زیادہ تھی، خلافت بغداد کی مرکزیت ختم ہو جانے کے بعد اسلامی نظم حکومت مختلف حصوں میں بٹ چکا تھا اور چھوٹی بڑی بہت سی حکومتیں قائم تھیں البتہ آخری دور میں رقبہ اور رعب ودبدبہ کے اعتبار سے دو حکومتیں بڑی سمجھی جاتی تھیں ایک ترکی کی عثمانی حکومت دوسرے ہندوستان کی مغل حکومت۔ اور اس میں بھی اوّل کو امتیاز حاصل تھا کہ وہ بغداد کی عباسی حکومت کا بدل سمجھی جاتی تھی اور گئے گذرے دور میں بھی اپنا ایک عزت ووقار اور رعب ودبدبہ رکھتی تھی، اور ان ہر دو حکومتوں میں ان کے سربراہان واہالیان کا مذہب حنفیت تھا بلکہ ہندوستان میں تو حضرت اورنگ زیب کی وفات کو کچھ زیادہ دن بھی نہ ہوئے تھے جن کی نگرانی میں ملک کے معتمد علماء کی ایک جماعت نے سینکڑوں کتابوں کی مدد سے فقہ وفتاویٰ کا ایک عظیم ذخیرہ بنام فتاویٰ عالمگیری وفتاویٰ ہندیہ جمع کیا، اور اخیر دور میں خود ترکی حکومت نے ''مجلة الاحكام الشرعية'' کے نام سے فقہ حنفی کے جزئیات کو بصورت دفعات جمع کرایا تھا۔

خلاصہ مشاہدات

فیوض الحرمین کے مکاشفات میں چار مکاشفے فقہیات سے متعلق ہیں کل تعداد اور کام کے شعبوں کی نسبت سے یہ ایک معقول تعداد ہے ان میں سے اوّل میں تو حضرت امام کو ''مذاہب اربعہ'' کی پابندی کی وصیت کی گئی ہے اور باقی میں حنفیت کی توثیق اور ضمناً اس کو اپنا مذہب بنائے رکھنے کی تاکید۔ یوں کہ کسی موقع پر

تو قوم کی مخالفت سے روکا گیا ہے اور کسی موقع پر مذہب حنفی پر عمل و تحقیق کا ایک ایسا طریقہ بتایا گیا ہے جو مذہب حنفی کو احادیث منقحہ سے سب سے زیادہ قریب کر دیتا ہے پھر وہ طریقہ اور شرح صدر حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے اور اخیر میں اس مذہب کو اس آخری دور میں اور کم از کم حضرت امام کے عہد میں اسلام کا محافظ و علمبردار بتایا گیا ہے۔

حضرت کی حنفیت کا ایک قوی قرینہ فقہ حنفی کی تائید و توثیق

یہی امور ہیں جنہوں نے حضرت کے سینہ کو حنفیت کی تائید کے لیے کھول دیا اور حضرت نے بالخصوص حدیث کی رو سے کچھ ایسی اصولی توثیق فرمائی کہ صدیوں سے کیا جانے والا اعتراض ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا۔ تعصب کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے تفصیل کا موقع نہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ حنفیت سے برگشتہ اور امام ابوحنیفہؒ سے بدظن کرنے کا ایک اصولی حربہ ان کے مخالفین کے پاس یہ رہا ہے کہ مذاہب اربعہ میں صحیح و صریح احادیث سے سب سے زیادہ دُور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، حضرات محققین نے ہر دور میں اس اعتراض کی تنقیح کی ہے اور حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے لیکن بالخصوص علامہ ابن قیم اور ہمارے حضرت امام نے اس سلسلہ میں بڑی اور اہم قیمتی تحقیق سپردِ قلم فرمائی ہے۔

قرونِ اولیٰ کے دو تعلیمی مکتب فکر

اصولی طور پر حضرت امام نے قرونِ اولیٰ یعنی دور صحابہ سے لے کر تبع تابعین تک اشاعت علم دین کے دو انداز و طریق یا یوں کہیے مکتب فکر بتائے ہیں اوّل حجازی طریق و مکتب فکر، دوم عراقی طریق و مکتب فکر۔ ہر دو میں یہ امر قدر مشترک ہے کہ صف اوّل کے لوگ صحابہ پھر تابعین اور پھر تبع تابعین ہیں اور ہر

درجہ میں ہر طبقہ کے ممتاز لوگ ہیں لیکن طریق تعلیم میں فرق ہے۔

حجازی مکتب فکر

جس کے قائدین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہؓ اور زید بن ثابت ہیں پھر ان کے تلامذہ و در تلامذہ، ان کا طریق یہ رہا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے نقل میں توسع اختیار کیا، اور احادیث کے ذریعہ یا انہیں کی روشنی میں مسائل کا جواب دیا، قیاس سے کم سے کم کام لیا۔

عراقی مکتبِ فکر

کے قائدین بالخصوص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور قائد اعلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، بر بناء احتیاط کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب غلط نسبت کر دینے پر وعید کے مستحق و مصداق نہ قرار پائیں ان حضرات کا طریق یہ رہا کہ انہوں نے احادیث کی روایت، حدیث کے الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت کر کے کم سے کم کی اگر چہ جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تھیں ان کا جواب نقل کے مطابق ہی رہا مگر بغیر ذکر سند کے اور حدیث نہ ملنے پر جو ذخیرہ علمی ان کے پاس تھا اس پر مختلف طریقے سے قیاس سے کام لیا اس لیے ان کے یہاں قیاس کی اس درجہ نوبت آئی کہ یہ اہل رائے کے لقب سے مشہور ہو گئے لیکن جیسا کہ ذکر کیا گیا ایسا نہیں تھا کہ ان کے پاس روایات حدیث کا ذخیرہ نہیں تھا۔ لیکن یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت کر کے روایات کی نقل نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے اقوال کے طور پر بیان کرتے تھے۔ بہر حال دو اصولی مکتب فکر تھے مدعا دونوں کا ایک تھا۔ طریق عمل و طریق فکر مختلف تھا، بعد کے فقہی مذاہب کی بنیادیں انہیں دونوں پر قائم ہیں۔

مذاہب اربعہ

میں سے تین کے بانی مبانی چوں کہ حجازی ہیں اس لیے باوجود اس کے کہ وہ قیاس کے منکر نہیں ہیں۔لیکن روایات کے ظاہر کی موافقت اور اس پر اعتماد اور موقع بموقع نفس روایات کی نقل یہاں غالب ہے ان میں بھی امام شافعیؒ نے چونکہ عراقی مکتب فکر سے کافی استفادہ کیا اس لیے انکے مقابلے میں باقی دو یعنی امام مالک اور امام احمد کے یہاں یہ بات اور صراحت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

مذہب حنفی

امام ابو حنیفہؒ چونکہ خالص عراقی مدرسہ،اساتذہ اور مکتب فکر کے پروردہ تھے اس لیے انکے یہاں بظاہر قیاسی مسائل کی بہتات ہے اگر چہ بعد از تحقیق شاید و باید ہی ایسے مسائل مل سکیں گے جن میں کسی حدیث کی مخالفت ہو،ورنہ ان کے طریق فکر نے ان کی اجتہادی وقیاسی صلاحیت کو صحت کے ایسے بلند معیار پر پہنچا دیا تھا کہ قیاس کی روشنی میں کیے گئے فیصلے احادیث کے عین مطابق ثابت ہوتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں بھی مذکور ہے۔

> ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کا شوہر مر گیا تھا اور کچھ مہر متعین نہیں کیا تھا،حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کچھ نہیں دیکھا اور نہ سنا ایک مہینہ تک لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہے اور ان سے حکم بتانے پر اصرار کیا تو حضرت نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ فرمایا تو اسی مجلس میں ایک صحابی معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ موجود تھے

انہوں نے فوراً کھڑے ہوکر عرض کیا۔

حضور ﷺ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت کی بابت بعینہٖ یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ نقل کیا گیا ہے کہ یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اتنا خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد کسی چیز پر ان کو اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی"۔

بات بھی خوشی کی ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں تو ان حضرات کو افتاء واجتہاد کی نوبت نہیں آئی اور اس واقعہ نے گویا ان کو "اصابت" کی سند دیدی بہر حال وہ مکتب فکر جس پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے اس میں اقوال حضور ﷺ اور اقوال صحابہ بصورت فتاویٰ ذکر کیے جاتے رہے ہیں ہر طبقہ نے اسی طریق کو اختیار کیا ہے اسی لیے حضرت امام نے ذکر فرمایا ہے کہ:

"وان شئت ان تعلم ماقلنا فلخص اقوال ابراهيم واقرانه من كتاب الآثار لمحمد وجامع عبدالرزاق ومصنفه ابى بكر بن ابى شيبة ثم قالسنية بمذهبه تجده لايفارق تلك المحجة الافى مواضع يسيرة وهو فى تلك اليسيرة ايضا لايخرج عما ذهب اليه فقهاء الكوفة".

"ہماری بات کی حقیقت جاننا چاہو تو ابراہیم نخعی اور ان کے اقران ومعاصرین کے اقوال امام محمد کی کتاب الآثار، جامع عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن شیبہ سے چھانٹ لو۔ پھر ان کا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے موازنہ کرو تو بجز چند مواقع کے مخالفت نہ پاؤ گے اور جہاں مخالفت بھی ہوگی تو فقہاء کوفہ کی موافقت ضرور ہوگی[1]"

یہی حال حضرت امام نے امام ابوحنیفہؒ کے اخص تلامذہ ابو یوسف ومحمد کا ذکر کیا ہے اور اس نسبت سے ابراہیم نخعی کا معاملہ اپنے اساتذہ علقمہ اور استاذ اور استاذ الاساتذہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اعتبار سے سمجھ لینا چاہیے یہی وجہ ہے کہ حضرت امام نے دوسرے موقع پر فرمایا ہے:

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۴۲۔

"واصل مذهبه فتاوىٰ عبدالله بن مسعود وقضايا علي رضي الله عنهما وفتاواه وقضايا شريح وغيره من قضاة الكوفة مجمع من ذلك مايسره الله ثم صنع في آثارهم كما صنع اهل المدينة في آثار اهل المدينة وخرج كما خرجوا فلخص له مسائل الفقه في كل باب بابا".

"ابراہیم نخعی کا مذہب اصلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ حضرت علی کے فیصلے وفتاویٰ اور شریح ودیگر فقہاء کوفہ کے فیصلے ہیں اسی سب سے جو ہو سکا جمع کیا اور پھر انہیں میں اسی طرح تخریج واستنباط کا کام کیا جیسے کہ اہل مدینہ نے اہل کے آثار میں کیا ہے حتی کہ ہر ہر بات سے متعلق ان کے پاس مسائل جمع ہو گئے۔[1]"

حضرت امام کی اس تحقیق وتنقیح کے بعد جسے حضرت نے بڑی تفصیل کے ساتھ پورے مبحث سالع میں بیان فرمایا ہے حنفیت سے ایک بڑا غبار چھٹ گیا اور یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ حنفیت بھی دراصل دوسرے فقہی مذاہب کی طرح احادیث پر مبنی ہے بلکہ صف اوّل کے اپنے اساتذہ کی فقاہت کی بنا پر کچھ زیادہ ہی استناد رکھتی ہے۔

حنفیت کا ایک اہم قرینہ حضرت کے اخلاف

انسان کے نظریات اور کردار کو سمجھنے کے لیے جہاں اسکی تصنیفی خدمات اور اسکی پوری زندگی کے بیانات وتقریرات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اسکے تیار کردہ اور اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے زندہ شاہکاروں کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ ان کی کچھ زیادہ ہی اہمیت ہوتی ہے کہ زبان تحقیق تو کچھ بھی کہہ ڈلکہ سکتی ہے لیکن مستفید ومسترشدین کیلئے اصل سرچشمہ تو خود اس کا عمل اور زندگی ہوتی ہے حضرت کے مذہب کی تعیین کے سلسلہ میں ہمیں حضرت کے اخلاف کا طور وطریقہ دیکھنا ہوگا۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱،ص:۱۴۳۔

حضرات اہل حدیث

نے نہ صرف یہ کہ آپ کے صاحبزادگان اور سلسلہ سے متعلق اہم حضرات کو اور بالخصوص سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء کو اہل حدیث بتایا ہے بلکہ ان کے بعض خواص علماء واصحاب قلم نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت امام نے تحقیق واجتہاد کے جس مسلک کی بنیاد ڈالی تھی آپ کے جانشین اوّل اور خلف اکبر نے اس سے انحراف کر کے حنفیت کو پیچھے سے لگایا اور پھر اسی کی آبیاری کی۔

اس دعویٰ کی حقیقت

حالانکہ ان حضرات کے ان دعاوی کے خلاف نہ جانے کتنے شواہد موجود ہیں حضرت امام سے متعلق تو آپ نے بہت کچھ ملاحظہ فرمالیا کیا اس کے بعد بھی اس دعویٰ کی گنجائش ہے؟ اور تو اور مسلک اہل حدیث کے مشہور قائد ومروج اور مجدد مولانا بھوپالی نے تو ان حضرات کے تحقیق واجتہاد کے مسلک کو تسلیم کرنے کے باوجود پوری جماعت کو حنفی قرار دیا ہے۔ اہل انصاف اور تعصب سے پاک حضرات کا یہی طریق ہوتا ہے وہ اس سلسلہ کی تصریحات کی بنا پر اس فیصلہ پر مجبور تھے مگر پھر بھی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پوری جماعت بجز اقل قلیل کے اس مخالفت پر گامزن ہو اور خود کو "ولی اللہی" بھی کہے۔

حضرت امام کی یہ تصریحات، صاحبزادگان کے فتاویٰ، تلامذہ کی تصنیف کردہ فقہ حنفی میں کتابیں اور بعض حضرات کے متعلق اس خیال کے سامنے آنے پر بعض حضرات کی تردید اور توضیح ان تمام چیزوں کے باوجود اسکی کیسے گنجائش نکلتی ہے۔ یہی حضرات بہتر سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک انتہائی اہم اور قیمتی چیز ملاحظہ ہو۔

رفقاء سید شہید اور ان کا فقہی مسلک

حضرت امام کی تحریک کو زندہ و تابندہ اور متحرک بنانے والے بلکہ یوں کہئے کہ حضرت امام جس اسلامی حکومت کا خواب دیکھا کرتے تھے مستقبل میں اسکو شرمندہ تعبیر کرنے والے اور حقیقت کا جامہ پہنانے والے حضرت امام کے بالواسطہ شاگرد و مستفیض حضرت سید احمد شہیدؒ بنے۔ سید صاحبؒ نے جب تحریک جہاد کا علم بلند کیا اور سرحدی علاقوں پر سکھوں کے مقابلے اور خلافت راشدہ کے طریق پر اسلامی حکومت قائم کرنیکی آرزو و ارادے کے ساتھ پہنچے تو وہاں کے عوام کو ان کے خلاف برگشتہ کرنے کے سلسلے میں جو حربے اختیار کئے گئے ان میں سے ایک حربہ یہ بھی تھا کہ یہ لوگ تقلید کے مخالف اور غیر مقلد ہیں حسب مرضی و خواہش عمل کرنے کے عادی ہیں حضرت شہیدؒ ان اعتراضات کا رودررو اور موقع بموقع خطوط کی صورت میں بھی جواب دیتے رہتے تھے۔ ایک مکتوب میں حضرت نے اسی قسم کے مختلف اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ کم از کم حضرت شہیدؒ اور انکے رفقاء کے فقہی مسلک کی بابت حرف آخر ہے، حضرت نے ابتداءً اعتراض کو ذکر فرمایا ہے پھر جواب عنایت فرمایا ہے جو ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شہیدؒ کی تصریح بابت مذہب فقہی

"مذہب ایں فقیر ابا عن جد مذہب حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال ایں ضعیف بر قوانین اصول حنفیہ و آئین قواعد ایشان منطبق است ہمگی ازاں خارج از اصول مذکورہ نیست الا ماشاء اللہ اینچہ از ہمہ افراد ایشاں بسبب غفلت و نسیان صادر می گردد کہ بخطای خود معترف می باشد و بعد از اعلام براہ راست سعادت می نماید آرے

در ہر مذہب طریق محققین دیگر باشد وطریق غیر ایشاں دیگر ترجیح بعضے روایات بر بعضے دیگر نظر بقوت دلیل توجیہ بعضے عبارات منقول از سلف وتطبیق مسائل مختلفہ بدون در کتب وامثال ذلک وانما از کاروبار اہل تدقیق وتحقیق است بایں سبب ایشاں خارج از مذہب نمی توانند شد بلکہ ایشاں را لب لباب آں مذہب باید شمرد"

"پشتہا پشت سے اس فقیر کا مذہب حنفی ہے اور اس کے تمام اقوال وافعال حنفیہ کے اصول وقواعد پر ہی منطبق ہیں۔ شاید ہی دو ایک اقوال ان کے اصول سے باہر ہوں اور اگر کبھی غلطی سے کوئی مخالفت ہو جاتی ہے تو اپنی غلطی کا اعتراف واعلان کر کے صحیح صورت کو اختیار کیا جاتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر مذہب میں محض مقلدین کا طریق عمل اور ہوتا ہے اور حضرات محققین کا کچھ اور۔ روایات کی ایک دوسرے پر ترجیح، قوت دلیل پر نظر، اسلاف سے منقول بعض اقوال کی توجیہ، کتابوں میں مذکورہ مسائل کی (اصول واحادیث پر) تطبیق وغیرہ مختلف امور ہمیشہ سے اہل تدقیق وتحقیق کا مشغلہ رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ مذہب سے باہر نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو تو مذہب کا لب لباب اور خلاصہ سمجھنا چاہیے[1]"

غلط فہمی کی وجہ

اصل میں حضرات اہل حدیث کو اور نہ صرف ان کو بلکہ بہت سے حنفی فقہاء کو جن کا طریق عمل، تقلید محض اور صرف کتب فقہ کے اقوال پر اعتماد واستناد رہا ہے اور اسی بناء پر سرحد وافغانستان کے علماء نے حضرت شہید پر غیر مقلد ہونے کا الزام لگایا تھا ان تمام کو ان حضرات کے طریق عمل کی وجہ سے غلط فہمی ہو گئی ہے ان حضرات

[1] مکاتیب سید احمد شہید، ص:۱۱۶۔

نے مدتوں کے بعد بلکہ "تقلید محض" پر عامل معاشرہ اور علماء کے درمیان جب تقلید کے ساتھ تحقیق واجتہاد کا مسلک پیش کیا جو ہر دور میں ہر مذہب وعلاقے کے علماء محققین کا شعار رہا ہے اور "ولی اللہی" سلسلہ میں اس کا آغاز حضرت امام سے نہیں بلکہ ان کے والد ماجد مولانا عبدالرحیم صاحبؒ سے ہوا تھا جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، بات بات پر نقول فقہاء کے پہلو بہ پہلو بلکہ اقوال فقہاء کے ذکر سے پہلے مسائل کے بیان میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ذکر کی جانے لگیں بلکہ بعض مسائل میں کتابوں میں ذکر کردہ اقوال کے بجائے دوسرے اقوال اختیار کیے جانے لگے تو جس معاشرہ نے تقلید کا کچھ اور مطلب سمجھا تھا اس کو ان کی تقلید پر اطمینان نہیں رہا اور ان کو تقلید سے باہر قرار دیا۔ اہل حدیث حضرات نے اپنی جماعت وجمعیت کو بڑھانے اور حجت قائم کرنے کے لیے، اور حنفی فقہاء نے ان کو الزام دینے کے لیے۔ اس چیز نے حضرت شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ صاحب کو اس تصریح وتوضیح پر مجبور کیا جو آپ سید شہیدؒ کے قلم سے چند صفحات پیشتر اور پہلے مقالہ میں دوسرے حضرات کے قلم سے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور خود حضرت امام نے والد محترم کے متعلق تحقیق واختیارات کے ساتھ مذہب حنفی پر عمل کا ذکر کیا ہے[1]۔

اس غلط فہمی پر ماضی قریب کا ایک شاہد

اور یہ غلط فہمی ہر دور میں "تقلید" کا غلط مطلب سمجھنے والوں اور غلط طریقہ پر اس پر عمل پیرا لوگوں میں عام رہی ہے حضرات علماء دیوبند کی حنفیت پر تو مہر لگی ہے کہیں سے کسی اور دعویٰ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن ان میں بھی بعض حضرات اس الزام سے بچ نہیں سکے چنانچہ حضرت تھانوی کے یہاں کا ایک واقعہ حسن العزیز میں مذکور ہے کہ ایک دن نماز عشاء میں عین حضرت تھانویؒ کی پشت کے بالمقابل

[1] حیات ولی ص: ۱۱۴۰، انفاس العارفین، ص: ۲۰۰۔

کھڑا ہونے والا ایک طالب علم نماز میں قرأت کرتا رہا حضرت نے محسوس فرمالیا بعد نماز حضرت نے اس کا مؤاخذہ کیا اس نے کہا خیال نہیں رہا حضرت نے فرمایا:

"ایک تو ہم ہیں ہی بدنام کہ یہ لوگ غیر مقلد ہیں، اگر کوئی تم کو الحمدللہ پڑھتے سن لے تب تو رجسٹری ہو جائے یہی سمجھا جائے کہ اسی کی تعلیم ہوگی۔"[۱]

اس غلط فہمی والزام دہی کی بنیاد اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھی کہ حضرت امام کے مسلک تحقیق واجتہاد پر یہ پورا طبقہ گامزن ہے اور بالخصوص اکابر علماء ومحققین جیسا کہ ان کے فتاویٰ تحریرات، وتقریرات اور تصنیفات شاہد ہیں۔

حرفِ آخر

یہ کہ حضرت امام تمامتر اجتہادی صلاحیتوں اور وفورِ علم کے ساتھ تحقیقی طور پر مذاہب اربعہ کے پابند تھے اور ان میں بھی نسبت وانتساب حنفیت کی طرف رکھتے تھے، بیان وتصریح کے مطابق "مجتہد اور خود اپنے منتسب" کا مقام رکھتے تھے کہ جو مجتہدانہ صلاحیت وتحقیق کے ساتھ کسی ایک مذہب سے انتساب رکھتا ہے[۲]۔

فقہی مذہب کی بابت حضرت امام کا قول اوّل وثانی

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ اگر حضرت امام حنفی المذہب ہی تھے تو ان کے ان اقوال کا کیا مطلب ہے جن میں مذاہب اربعہ یا بالخصوص حنفیت وشافعیت کے درمیان جمع وتطبیق کا ذکر ہے ہم پہلے قول ثانی اور اس کے بعد قول اوّل کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کریں گے ان توضیحات کی روشنی میں جو بعض اکابر سے منقول ہیں نیز بعض ان تحریرات کے پیشِ نظر جو احقر کے مطالعہ میں آئی ہیں۔

---

[۱] حسن العزیز، ج:۱، ص:۲۱۴۔

[۲] عقد الجید، ص:۵۱۔

حنفیت وشافعیت کے درمیان جمع کی حقیقت

آپ نے آغاز مقالہ میں ملاحظہ فرمایا ہے کہ حضرت امام نے اپنے فقہی مذہب کی بابت بعض مواقع پر حنفیت وشافعیت کے درمیان ''جمع وتطبیق'' کے طریق کو بیان فرمایا ہے اور وجہ بھی ذکر کی ہے۔ انتساب کے اعتبار سے جب آپ کی حنفیت طے ہے تو اس جمع وتطبیق کی کیا حقیقت ہے؟ اس میں کئی احتمالات ہیں۔

احتمال اوّل محض داعیہ

تو یہ ہے کہ اس کی حقیقت صرف ''جذبہ اور داعیہ'' تک ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ یعنی حضرت امام نے اس جمع کی بابت صرف داعیہ بیان فرمایا ہے اور اس جمع کی صورت۔ باقی واقع میں یہ چیز آئی یا نہیں اس کا کوئی ذکر نہیں؟ واقع میں بات حنفیت پر عمل اور اس کی تحقیق تک ہی رہی چنانچہ ''داعیہ'' کا لفظ خود حضرت کے بیان میں موجود ہے۔

احتمال ثانی جمع درس کی حد تک

جمع کی نوبت حقیقتاً آئی لیکن صرف درس وتدریس کی حد تک جیسا کہ آپ نے خود دست مبارک سے ''شیخ محمد بن پیر محمدؒ'' کے اجازت نامے میں تحریر فرمایا ہے:

''الحنفی والشافعی درساً''

کہ درس وتحقیق کے اعتبار سے حنفی اور شافعی دونوں ہوں۔ دونوں کے مسائل پر بصیرت افروز بحث کرتا ہوں اور روشنی ڈالتا ہوں مولانا مناظر صاحب گیلانی فرماتے ہیں:

''ایک بڑی دانشمندی شاہ صاحب نے یہ بھی فرمائی کہ حنفی فقہ

کے ساتھ ساتھ آپ نے درسی طور پر فقہ شافعی کے مطالعہ کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اپنے مسلک کی توضیح میں ایک موقع پر اپنے کوالشافعی درسا جوفرمایا ہے اس کا بھی مطلب ہے۔[1]"

احتمال ثالث اختلاف مکان

یہ جمع وتطبیق کا طریق حضرت کے یہاں حقیقتاً کارفرما تھا لیکن اختلاف مکان کے اعتبار سے، ہندوستان میں تو حنفیت کے وجوب کے قائل تھے اسی کی بات فرماتے اور علاقۂ حجاز میں فقہ شافعی کو ترجیح دیتے۔ اس کی تائید مولانا سندھی کی درج ذیل تحریر سے ہوتی ہے۔

"ہم شاہ ولی اللہ کو حنفی اور شافعی ہر دو مذہبوں میں مجتہد منتسب مانتے ہیں۔ جب وہ اپنے آپ کو مرکز اسلام حجاز میں تصور کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور شافعی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا جائز سمجھتے ہیں اور جب وہ خود کو ہندوستان میں فرض کرتے ہیں تو اپنے والد کے طریقے پر فقط فقہ حنفی کے مجتہد منتسب امام ہوتے ہیں۔[2]"

احتمال رابع ظاہر مراد نہیں

چوتھا احتمال یہ ہے کہ حضرت امام نے اس موقع پر نفس حنفیت اور نفس شافعیت کو مراد نہیں لیا ہے بلکہ ان کو دراصل عنوان ولقب قرار دیا ہے "مذاہب اربعہ" کے دو حصوں میں سے ہر ایک کو تعبیر کرنے کے لیے۔ ورنہ مقصود مذاہب اربعہ کے درمیان جمع ہے۔ رہا حنفیت وشافعیت کا لقب وعنوان ہونا تو اس کی تائید مولانا گیلانیؒ کی ایک تصریح سے ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء اربعہ کے

---

[1] شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۳۰۰۔

[2] ایضاً، ص: ۳۰۲۔

مذاہب اس معنی کر دو حصوں میں ہیں کہ ان میں سے دو نے تعمیری کام زیادہ کیا ہے اس وجہ سے کہ اسلامی حکومت کے بڑے حصے کے حکمراں وقاضی ان دونوں مذاہب کے پابند رہے اور ان قاضیوں اور ان مذاہب کے علماء نے تفریعات وتخریجات کا خوب کام کیا یعنی فقہ حنفی اور فقہ مالکی، فقہ حنفی کا سکہ مشرقی ممالک میں چلتا رہا اور فقہ مالکی نے مغربی ممالک کی قیادت کی۔

اور باقی دو مذاہب یعنی شافعیت وحنبلیت نے زیادہ تر تنقیدی کام کیا ہے اسی لیے ان دونوں میں تفریعات وتخریجات کی کمی، اور بحث ودلائل کی زیادتی ہے، مولانا گیلانی فرماتے ہیں:

> ''لوگ جانتے ہیں کہ حنفی اور مالکی فقہ کی حیثیت اسلامی قوانین کے سلسلہ میں تعمیری فقہ کی ہے اور شافعی وحنبلی فقہ کی زیادہ تر ایک تنقیدی فقہ کی ہے حنفیوں کی فقہ کو مشرق اور مالکی فقہ کو مغرب میں چوں کہ عموماً حکومتوں کے دستور العمل کی حیثیت سے تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت تک استعمال کیا گیا ہے اس لیے قدرتاً ان دونوں مکاتب خیال کے علماء کی توجہ زیادہ تر جدید حوادث وجزئیات وتفریعات کے ادھیڑ بن میں مشغول رہی بخلاف شوافع وحنابلہ کے کہ بہ نسبت حکومت کے ان کا تعلق زیادہ تر تعلیم وتعلم درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے رہا اس لیے عموماً تحقیق وتنقید کا وقت ان کو زیادہ ملتا رہا[1]۔''

اور ہمارا یہ کہنا کہ ان دونوں کے درمیان جمع سے تمام مذاہب کے درمیان جمع کرنا مقصود ہے مولانا گیلانی کی مذکورہ بالا تصریح (جس سے ان دونوں لفظوں کا لقب ہونا ثابت ہوگیا) کے علاوہ خود حضرت کے بیان سے بھی مؤید ہے اس لیے کہ خود حضرت نے تفہیمات میں ایک موقع پر طریق عمل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

---

[1] شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۲۰۰۔

''ہم فروعات میں۔۔جس چیز پر علماء اور بالخصوص دونوں بڑے
گروہ یعنی احناف وشوافع متفق ہوں اس کو لیتے ہیں ورنہ جو قول ظاہر
حدیث کے مواقف ہوا سے لے لیتے ہیں[1]''

ظاہر ہے کہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے اگر حنفیت وشافعیت متفق ہوں تو ہوں ورنہ کسی بھی مذہب کے ظاہر حدیث سے قریب قول پر عمل کیا جاتا ہے۔

مذاہب اربعہ کے درمیان جمع کی حقیقت

رہ جاتا ہے قول اوّل کہ جس میں چاروں مذاہب کے درمیان جمع وتطبیق کا ذکر ہے اور قول ثانی میں بھی ایک احتمال اس جمع کو مراد لینے کا نکلتا ہے اس جمع کی کیا حقیقت ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں بعض اکابر نے بھی اپنی آراء کا اظہار فرمایا ہے۔

مولانا گیلانی کا نظریہ تو جمع کے باب میں وہ ہے جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت نے طلباء کے لیے مطالعہ ودرس کی صورت میں مذاہب اربعہ کو جمع کر رکھا تھا جن کو حضرت گیلانی نے دوحصوں میں قرار دیا ہے، تعمیری، تنقیدی، حنفیت، ومالکیت تعمیری اور شافعیت وحنبلیت تنقیدی ہیں مقصود یہ تھا کہ ذہن فقہیات کے باب میں تعمیر وتنقید ہر دو پہلو کے اصولوں کی طرف متوجہ ہو۔ نیز یہ کہ ہر مذہب سے واقفیت وتعلق مذہبی تعصب کو ختم کردے مولانا سندھی نے اپنے تجزیہ میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک زمانہ تک شاہ صاحب کا یہی خیال رہا بایں معنی کہ فقہ حنفی میں رسوخ حاصل تھا حجاز پہنچ کر فقہ شافعی میں رسوخ حاصل ہوا اور یہ دونوں مذاہب ہر دور میں ایک دوسرے کے بالمقابل رہے۔ اس لیے موطا امام مالک کی طرف رجوع کر کے اس کے حل کو سوچا مگر آخر الامر کم از کم

---

[1] تفہیمات، ج۲، ص۲۰۳، ملخص۔

ہندوستان کے حق میں حنفیت کو ہی مرکزی فقہ و مذہب قرار دیا جیسا کہ ان کو بذریعہ مکاشفات ہدایات دی گئی تھیں [1]۔

اختیارات، مذاہب اربعہ کے اندر

احقر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ حضرت امام نے جب اپنے قلم سے حنفیت کی مخالفت سے ممانعت کی تاکید اور حنفیت کی تحسین اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حنفیت کی طرف نسبت ذکر فرمائی ہے اور دوسری طرف خود انہیں کا بیان اس جمع کا بھی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ کسی ایک کے پابند اور کسی ایک سے منسوب نہ رہتے ہوئے ایسا کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اختیارات میں ان سے باہر نہیں جاتے ہیں اگرچہ نسبت اور عام عمل حنفیت پر ہے، اس کی تائید اس حقیقت سے ہوسکتی ہے جس کا ذکر خود حضرت امام نے مقدمہ مسوّیٰ میں فرمایا ہے:

"یہ چاروں امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے عالم کو محیط ہے"

اس تصریح سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام کے نزدیک حضرات ائمہ اربعہ نے اپنے اصول و فروع کے ذریعہ علوم و مسائل کا ایسا احاطہ کرلیا ہے کہ کسی بھی صورت کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے ان کی معلومات و فرمودات سے باہر جانے کی ضرورت نہیں چنانچہ حضرت نے کلمات طیبات میں اپنے طریق کار کی وضاحت فرماتے ہوئے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

جماعتی تعصب سے دور رکھنا

اور اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ حضرت موصوف مذاہب اربعہ کی تحقیق، درس و تدریس مختلف مواقع پر اس غرض سے فرمایا کرتے تھے کہ ہر مذہب

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر۔ مضمون مولانا سندھیؒ بعنوان تطبیق الفقہ بالحدیث۔

ومکتب فکر کی صحت وحقانیت ظاہر ہو جائے اور یہ بات عیاں ہو جائے کہ بنیاد ہر ایک کی شریعت محمدیہ کے اصل سرچشموں یعنی کتاب وسنت پر ہے اور ان سے مستنبط صحیح اصول وقواعد پر، تاکہ اختلاف مذاہب کی بناء پر جو جماعتی اور گروہی تعصب پایا جاتا ہے ہر جماعت کے لیے دوسرے کی حقانیت کی وضاحت کی بناء پر وہ تعصب ختم ہو جائے اس لیے کہ یہ تعصب بتدریج بڑھتا رہا ہے اور بالخصوص "تقلید محض" کے قائل وعمل پیرا لوگ جو حضرت امام کے عہد میں بکثرت موجود تھے بلکہ اس وقت تو سب وہی تھے ہی، ان میں یہ بات سب سے زیادہ پائی جاتی رہی ہے۔ اور حضرت کے اندر اختلاف مذاہب کو ختم کرنے کا داعیہ دراصل اسی تعصب کو ختم کرنے کی غرض سے پیدا ہوا تھا اور اس اختلاف پر کیا منحصر ہے وہ تو ہر اختلاف کو ختم کرنا چاہتے تھے بلکہ اس پر مامور تھے اور ان کو اس کی راہیں دکھائی وبتائی جاتی تھیں۔
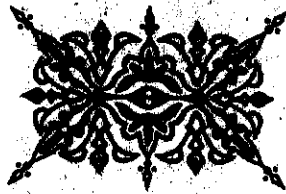
حضرت امام کے فقہی ذوق کا دوسرے علماء پر اثر

حضرت امام اور ان کا تجدیدی کارنامہ

حضرت امام بلا شبہ وقت کے ایک انقلاب انگیز اور ہمہ جہت مجدد تھے ملکی وملی سبھی مسائل میں حضرت کی تحقیقات انیقہ، تنقیدات صحیحہ اور جائز وضروری رہنمائیاں امت کے بہت کام آئیں۔ علم حدیث کے سلسلہ میں تو حضرت امام کا تجدیدی کارنامہ ظاہر ہے کہ کم از کم ہندوستان میں حدیث کے درس وتدریس کی بابت جو عام بے توجہی برتی جارہی تھی حضرت امام نے حدیث کا عام درس جاری فرما کر انشاء اللہ تا قیامت اس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ قائم فرما دیا ہے اور اسی پر بس نہیں حضرت کی جد وجہد وسعی یہاں تک رنگ لائی کہ علماء عرب نے بے ساختہ اعتراف کیا کہ اگر ہندوستانی علماء کی اس زمانے میں حدیث پر توجہات نہ ہوتیں تو شاید یہ بابرکت وباعظمت فن دنیا سے رخصت ہو جاتا۔

فقہ میں حضرت امام کا تجدیدی کارنامہ

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرت امام کی تمامتر فقہی تحقیقات اور اس سلسلہ کی کاوشوں کا تعلق صرف آپ کی ذات سے تھا یا یہ کہ اس میں بھی آپ کی تجدیدی حیثیت نمایاں ہے اور آپ نے اپنی تحقیقات وکاوش کا دیرپا بلکہ "دور رس" اثر چھوڑا ہے۔ جواب "اثبات" میں ہے جس کی پوری وضاحت آئندہ آنے والی

تفصیلات کی روشنی میں ہوسکے گی۔

ہندوستان کی تاریخ اور بالخصوص ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اگرچہ اسلام یہاں ساحلی علاقوں پر آمدورفت رکھنے والے عربوں کے ذریعہ بھی پھیلا لیکن۔

فقہ حنفی کے علاقے

اپنی تمامتر خصوصیات، مذہبی روایات اور تہذیب وثقافت کے اعتبار سے انہی راستوں اور شخصیتوں کے واسطے سے آیا جن کا تعلق عراق وعجم اور ماوراءالنہر کے علاقوں سے تھا، جیسا کہ آپ علامہ سندھی کا ایک بیان پڑھ چکے ہیں یہ وہ علاقے ہیں جو فقہ حنفی کی تحقیق وتخیص اور اس کے پروان چڑھنے کے مراکز رہے ہیں اور عموماً فقہ حنفی کی تدوین واشاعت اور اس سے متعلق تصنیفات انہیں علاقوں کے علماء کی جدوجہد کا ثمرہ ونتیجہ ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ جن ممالک کا ذہن معقولی اور مزاج فلسفیانہ تھا ان ممالک میں عموماً فقہ حنفی کا شیوع اور رواج رہا اس کی وجہ امام صاحب کے مذہب میں کثرت استنباط، علتوں کا استخراج وبیان اور مسائل کی تنقیحات اور جزئیات کی تفریع وتفصیل ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر خود حضرت امام کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ یونانیوں یعنی یونانی علوم سے مناسبت رکھنے والوں کا مذہب حنفیت رہا۔

فقہاء کا جمود وتعطل

ادھر آخری چند صدیوں میں جس طرح دوسرے مذاہب اپنے اپنے علاقوں میں جمود اور تقلید جامد کا شکار تھے یہی حال اس علاقے میں فقہ حنفی کا ہو رہا تھا بلکہ کچھ زیادہ ہی، اس لیے کہ دوسرے مذاہب کے اتباع میں برابر ایسے افراد پائے

جاتے رہے جو علم حدیث سے مناسبت کی بناء پر تحقیق واجتہاد سے کام لیتے رہتے تھے، یہاں خواص اہل علم بھی محض کتب فقہ کی تصریحات پر اعتماد کرتے تھے اور انہیں پر تفریع وتخریج کرتے رہتے تھے، نہ تو مسائل کی تنقیح وتحقیق کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور نہ ہی مذہب کی کتابوں سے باہر کسی موقع پر استفادہ ان کے ذوق کے مناسب تھا بلکہ یہ امران کے نزدیک باعث گناہ اور تقلید کے منافی تھا۔ ان کی تمامتر توجہ معقولات پر تھی اور علوم دینیہ میں علم کلام اور اصول فقہ پر، فقہ میں بس متقدمین ومتاخرین کے تصنیف کردہ متون پر، احادیث سے برائے نام مناسبت تھی دو ایک کتابیں پڑھ لیا کرتے تھے اور وہ بھی پڑھنے کی حد تک پڑھتے تھے فقہی مسائل کی تحقیق کے سلسلہ میں کام لینے کی غرض سے نہیں، عوام وخواص سب اس جمود وتعطل کا شکار تھے عوام بھی ان حدود سے باہر فتوی اور تعلیم مسائل کو گوارا نہیں کرتے تھے جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔

کتب فقہ کا مقام تقدس وعظمت

مولانا مسعود عالم صاحب ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"اما اصل الفتوی فجعلوا یقدسون کتب الفقه والفتاوی واتخذوها قرآنهم وآمنوابها کما یؤمن بالغیب واصبح الشك فی مسألة من مسائلها عبارة عن کفر بالله ورسوله ومن ذالذی یجتری ان ینکر علیهم شیئاً من مسائلهم التی یفتون بها او افتی بها بعض من تقدمهم من علمائهم وفقهائهم کابن نجیم المصری (ت ۹۷۰هـ) او ملا علی القاری الحنفی (ت: ۱۰۱۴هـ) وان تجاسر احد علی ذلك سلقوه بالسنة حداد ولقبوه

بألقاب شنيعة".

"علماء نے فقہ وفتاوی کی کتابوں کو تعظیم وتقدس کا مقام دے رکھا تھا، اور انہیں کو گویا اپنا قرآن گردان لیا تھا اور انہیں پر ایمان بالغیب اختیار کر رکھا تھا۔ ان کے نزدیک ان کتابوں میں ذکر کردہ کسی مسئلہ کی بابت شک وشبہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا مصداق تھا کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ خود ان کے یا متقدمین علماء وفقہاء جیسے ابن نجیم مصری اور ملا علی قاری کے فتاوی کے خلاف کچھ کہہ سکے یا زبان کھول سکے اور اگر کوئی جیالا اس کی جرأت کر بیٹھتا تو ان کی زبانیں اسے چھلنی کر ڈالتیں اور ذلت آمیز القاب سے اسے نوازا جاتا۔"

احادیث کے درس وتدریس سے صرف نظر

ممتاز اور اکابر اہل علم کا بھی حدیث پاک کے درس وتدریس سے صرف نظر کوئی عیب نہیں تھا مولانا مسعود صاحب فرماتے ہیں:

"ومن اكبر البليات ان البيوتات العلمية الكبرى وفطاحل علمائها ايضا كانوا يكتفون من كتب الحديث بدراسة مشكاة المصابيح ومشارق الانوار وهم يصرفون سنين طويلة من اعمارهم في العكوف على كتب ارسطو وعلماء يونان ينخلونها نخلا ويقتلونها بحثا فأى عجب اذابلغ منهم الانحطاط هذا المبلغ".

"ایک بڑی بھاری مصیبت یہ تھی کہ نامور علمی گھرانے اور اکابر اہل علم بھی کتب حدیث میں مشکوٰۃ اور مشارق الانوار کے پڑھنے پڑھانے پر اکتفا کرتے تھے حالاں کہ ارسطو اور دیگر علماء یونان کی کتابوں کے پیچھے وہ اپنی عمر عزیز کے سالہا سال ضائع کرتے انکی

۱۔ تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۳۲۔

کتابوں کو چاٹ ڈالتے اور ان کی عبارات میں موشگافیاں کرتے
کرتے اصل مضمون وحقیقی مراد کو کہیں سے کہیں پہنچادیتے تو ان کے
اس درجہ انحطاط پر کیا تعجب کا موقع ہے۔"[1]

ہندوستان کے مختلف علاقے اور درس حدیث

بالخصوص دہلی، اس کے اطراف اور عموماً اس کے ماتحت رہنے والا علاقہ شمالی ہند اس بے اعتنائی کا شکار تھا یہاں تو درس حدیث کا چراغ سب سے پہلے شیخ علی متقی، م ۹۷۵ھ پھر ان کے شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ م ۱۰۵۲ھ نے جلایا لیکن ان کی محنتیں بھی کچھ زیادہ بار آور ثابت نہیں ہوئیں آخر حضرت امام کے حصہ میں وہ سعادت آئی جس سے آج پورا ملک بہرہ مند ہو رہا ہے ہاں بعض ریاستی ساحلی علاقے جیسے سندھ، گجرات جن میں مرکز دہلی سے الگ مسلم ریاستیں قائم تھیں یا یہ کہ ان کے حکمران وسلاطین کا مزاج سلاطین دہلی کے ذوق ومزاج سے مختلف تھا پھر یہ کہ ان علاقوں میں ساحل پر آمد ورفت کی وجہ سے عرب علماء ومحدثین کی آمد ورفت رہتی تھی یہاں کے لوگ خود بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ اس لیے ان علاقوں میں برابر حدیث کا چرچا رہا، اسی لیے آپ نے پہلے مقالہ میں حضرت امام کے ذوق کے حنفی فقہاء محدثین میں علاقہ سندھ کے ہی بعض علماء کا نام ملاحظہ فرمایا ہے۔ اگر چہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دہلی کی جب قسمت جاگی تو پھر سارے چراغ بجھ گئے اور ملک میں تن تنہا یہی حدیث کے درس وتدریس کا مرکز قرار پایا بعد کے سارے سلسلے اسی مرکز پر آکر منتہی ہوئے۔

گجرات

آپ نے پڑھا ہے کہ بالخصوص گجرات وسندھ میں برابر فن حدیث کے

---

[1] تاریخ الدعوۃ، ص: ۱۳۲۔

درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا اور یہ اس علمی ترقی کے نتیجے میں ہوا جو ڈیڑھ سو سالہ خود مختار شاہان گجرات کی حکومت کے دور میں ان کی سرپرستی کی وجہ سے گجرات کو حاصل ہوئی۔ اس عرصے میں گجرات میں مختلف محدثین باہر سے آئے بعض وہیں رہ پڑے اور بعض کچھ مدت قیام فرما کر دوسرے علاقوں میں یا وطن ہی واپس چلے گئے مثلاً مولانا نورالدین احمد شیرازی م............علامہ وجیہ الدین محمد بن محمد الہی م..........شاگرد رشید علامہ سخاوی، جمال الدین محمد بن عمر حضرمی م ۹۳۰ھ شاگرد علامہ سخاوی استاذ مظفر شاہ حلیم، شہاب الدین احمد العباس المصری م.......... شاگرد شیخ الاسلام زین الدین زکریا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہندوستان کے مشہور محدث طاہر پٹنی کا تعلق بھی گجرات سے ہی تھا موصوف کی کتاب ''مجمع بحار الانوار'' لغات حدیث پر منفرد اور بہت مشہور ہے نیز ''تذکرۃ الموضوعات'' بھی انہیں کی ایک گرانمایہ تصنیف ہے۔

گجرات سے درس حدیث کا خاتمہ

ہم نے ذکر کیا ہے کہ دوسرے علاقوں میں اس مبارک فن کے رواج کا راز یہ تھا کہ وہ مرکز کے ماتحت نہ تھے چنانچہ جس مدت میں گجرات مرکز سے باغی اور علیحدہ رہا اس کی قسمت کا ستارہ جگمگاتا رہا اور اس نے صرف حدیث کے فن میں ترقی نہیں کی بلکہ دوسری صنعتوں اور تہذیب وتمدن میں بھی آگے رہا لیکن مرکز سے متصل ہوا نہیں کہ یہ چراغ گل ہوگیا[1]۔

سندھ

دوسرا زیادہ علاقہ جہاں فن حدیث کا شہرہ و چرچا زیادہ رہا علاقہ سندھ ہے

[1] تاریخ الدعوۃ، ص: ۲۰۔

یہاں بہت سے باکمال محدثین گذرے ہیں جن کی شہرت دور دور تک پہنچی چنانچہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی فرماتے ہیں:

> "حدیث کا چرچا بھی اس ملک میں زیادہ رہا چنانچہ اکثر یہاں قاضی اہل حدیث ہوتے۔۱"

یہاں کے مشہور محدثین میں قاضی ابو محمد منصور گذرے ہیں نیز بعض وہ علماء جن کا ذکر ہم پہلے مقالہ میں حضرت امام کے ہندوستانی نظائر کے عنوان سے کرچکے ہیں یعنی شیخ محمد عابد سندھی م.........، شیخ محمد ہاشم سندھی م ۱۱۷۴ھ شیخ عبدالغفور سندھی اور شیخ ابوالحسن کبیر سندھی م ۱۱۳۶ھ یہ حضرات صاحب تصانیف بھی تھے اور اصحاب علم و تحقیق بھی، ان میں سے شیخ ابوالحسن کبیر کے ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ کی سب کتابوں پر حواشی ہیں نیز مسند امام احمد بن حنبل پر بھی۔

افسوس ناک واقعات

نصوص کتب پر اعتماد، فقہاء کی تقلید جامد اور قرآن وسنت سے اس بے اعتنائی کا اہم پہلو وہ افسوس ناک واقعات تھے جو ان حالات کی بناء پر پیش آتے رہتے تھے اور ہمارے سامنے تو اس ملک کے حالات و واقعات ہیں ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسرے علاقوں میں بھی ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے۔

چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سرحد اور افغانستان کے علماء وعوام نے اسی تقلید جامد و بے اعتنائی کی بنیاد پر ہی حضرت شہید اور ان کے رفقاء کے طریق کار کے سامنے آنے پر ان کو "عدم تقلید" کا الزام دیا تھا۔ کتب تاریخ میں اس سلسلہ کے چند اہم واقعات مذکور ہیں جنہیں مختلف حضرات نے اپنی تصنیفات میں ذکر فرمایا ہے۔ ان واقعات کا تعلق صرف عوام سے ہی نہیں ہے خواص کی جانب بھی ایسے

---

۱ [illegible]

واقعات منسوب ہیں چنانچہ مولانا مناظر احسن صاحب نے خاص طور سے اپنی کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت" میں اور شاہ ولی اللہ نمبر کے لیے تحریر کردہ مقالہ میں تفصیل کے ساتھ اس پہلو پر گفتگو فرمائی ہے۔

روہیلوں کا مذہبی تعصب

بالخصوص روہیلے اور افغان جن کا حضرت شاہ صاحب کے ایام کارکردگی میں بڑا دور دورہ تھا ان کے حالات بڑے افسوسناک تھے۔

مولانا فرماتے ہیں:

> "روہیلے مسلمانوں پر زیادہ تر تنگ نظر ظاہر میں "جزئیاتی فقہاء" کا پنجہ سختی سے جما ہوا تھا، پشتہا پشت سے وہ اپنے ان مذہبی ملاؤں کے زیر اثر زندگی گذار رہے تھے اور بقول صاحب الیانع جن فقہاء کی آراء کی پیروی کو ان لوگوں نے اپنا مشرب اور مسلک قرار دیا تھا ان کے معاملہ میں اپنے اندر سخت تعصب رکھتے تھے۔"[1]

جزئیات پر جمود اور پرتشدد واقعات

ان کا یہ مذہبی تعصب جزئیات کی پابندی اور منقول پر جمود اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ انتہائی افسوسناک اور پرتشدد واقعات ظہور میں آتے رہتے تھے، منقول ہے کہ فقہ حنفی کی بعض کتب میں یہ جزئیہ مذکور ہے کہ تشہد میں بوقت شہادت انگلی نہ اٹھائی جائے اور بعض میں یہ بھی تصریح ہے کہ اہل حدیث کی مانند، اگرچہ متاخرین نے روایات حدیث کی بناء پر انگلی اٹھانے کے قول کو ترجیح دی ہے اور یہی قول اب عامۃً معمول بہ ہے لیکن متقدمین اور محض ان کی آراء کے ناقل فقہاء نے قول اوّل کو ہی اختیار کیا ہے۔ روہیلے اس مسئلہ میں اتنے متشدد تھے کہ اگر اتفاقاً نماز میں

[1] شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۶۵-۱۶۴۔

کسی کی انگلی اٹھ جاتی تو اسی وقت تراش دی جاتی تھی، علامہ رشید رضا مصری نے مغنی کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

"میں نے لاہور کی جامع مسجد میں بعض افغانی طلباء سے اس کی بابت سوال کیا کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے تو انہوں نے کہا کہ بالکل صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ حضور اقدس ﷺ کی مخالفت اور ترک سنت کی یہ سزا ہے"

علامہ موصوف نے ہی یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے پر بغل میں کھڑے ہونے والے نے پڑھنے والے کے سینے پر اس زور سے مارا کہ وہ گر پڑا اور مرنے کے قریب ہوگیا، اسی طرح بہت ہی کتابوں میں تمباکو کی بابت حرمت کے قول کو اختیار کیا گیا ہے اور اسے دوسری نشلی اشیاء پر قیاس کیا گیا ہے اس مسئلہ کو بھی انہوں نے مانند نص قرآنی اختیار کر رکھا تھا اور ایک عالم نے ایک مرتبہ کہیں اس کی حلت کا فتویٰ دیدیا تو مسلح ہوکر اس پر چڑھ دوڑے، یہی حال ان کا ہر مسئلہ میں تھا جو ان کے علم میں ہوتا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو محض اس وجہ سے شیعہ قرار دیا کہ انہوں نے علی الاطلاق شیعوں کو کافر نہیں کہا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک موقعہ پر صرف حضرت علیؓ کا ذکر فرمایا۔ ان کی اس حالت و کیفیت کا نقشہ صاحب الیانع الجنی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"فکانوا اذا قرع طمافهم ما ینامذ مقللهم الذی استطامر غذا احدهم یکاد یسطر بالذی خرجت منه القولة وامتلأ علیه غیظًا قد انتفخت او داجه واحمرّت وجنتاه"۔

"ان کے کانوں میں ازروئے تقلید ان کے اختیار کردہ وپسندیدہ امر کے خلاف جو بات بھی پہنچتی یہ لوگ اس کے قائل پر چڑھ دوڑنے

کو ہو جاتے غصہ سے بھر جاتے رگیں پھول جاتیں اور رخسار غصہ میں سرخ ہو جاتے تھے[۱]"

خواص اور اس قسم کے واقعات

یہ تو عوامی واقعات ہیں ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ کم علمی و جہالت کی بناء پر جو بات کان میں پڑ جائے اور دل میں بیٹھ جائے وہ اٹل ہوتی ہے حد تو یہ ہے کہ اہل علم کے متعلق بھی اس سلسلہ میں ایسے واقعات مروی ہیں کہ افسوسناک بھی ہیں اور اندوہناک بھی۔

حضرت نظام الدین دہلوی کا واقعہ

مرکز دہلی کیا بلکہ ملک گیر شہرت رکھنے والے بزرگوں میں سے ساتویں آٹھویں صدی ہجری کے ایک بزرگ و درویش شیخ نظام الدین بدایونیؒ م......... گذرے ہیں یہ چشتی سلسلہ کے بزرگ تھے اور سماع کے قائل و دلدادہ تھے اور محض صوفی و عبادت گذار بھی نہ تھے بلکہ صاحب نظر عالم تھے چنانچہ بعض مسائل میں خود اپنی ذاتی رائے بھی رکھتے تھے مثلاً قرأت خلف الامام کے قائل تھے[۲]۔ یہی وجہ تھی کہ وقت کے اکابر اہل علم اپنے حلقہائے علم چھوڑ چھوڑ کر ان کے حلقۂ ارشاد میں شامل ہوئے[۳]۔ بہر حال وقت کے علماء حضرت کے اس عمل پر نکیر کرتے تھے اور حضرت اسے ترک نہ فرماتے تھے آخر مجلس مناظرہ گرم ہوئی اور حضرت نے اپنے عمل کے جواز پر امام غزالی کی ایک عبارت سے استدلال کیا جسے حضرت موصوف غلطی سے حدیث سمجھتے تھے

۱۔ الیانع الجنی ص:۸۳۔

۲۔ نزہۃ ج:۲ ص:۱۲۶۔

۳۔ ملاحظہ ہوں حضرت کے منتسبین کے حالات، نزہۃ الخواطر۔

حالاں کہ وہ حقیقتاً حدیث نہیں ہے بہر حال مقصود تو علماء کرام کے جواب کا ذکر ہے قاضی زین الدین جو علماء کے نمائندے تھے انہوں نے فرمایا:

"مالك والحديث ؟ انت رجل مقلد يقتدى بأبى حنيفة فات بقول من اقواله حتى نراه"

"آپ سے حدیث سے کیا مطلب آپ تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں ان کا ہی کوئی قول پیش کیجئے تا کہ ہم غور کر سکیں"۔

حضرت نے ان کی اس جرأت و بے باکی پر بطور اظہار افسوس و تعجب کے فرمایا:

"سبحان الله العظيم أنا احدثكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتطالبنى بقول من اقوال ابى حنيفة؟"

"سبحان اللہ میں تو آپ سے حضور ﷺ کی بات کر رہا ہوں اور آپ مجھ سے امام ابوحنیفہؒ کے کسی قول کا مطالبہ فرما رہے ہیں[1]"

یہ حالات اور صغانی و شیخ علی متقی

جیسا کہ ذکر کیا گیا عمومی حال یہی تھا بس خال خال اللہ کے بندے کہیں کہیں وقتاً فوقتاً اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے کام و نام کر کے رخصت ہو جاتے لیکن علماء کی عام بے حسی اور علم و تحقیق کی کساد بازاری کی بناء پر عوام و خواص کسی کو ان خصوصی محنتوں سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا تھا مثلاً شیخ حسن بن محمد بن محمد صغانی صاحب مشارق الانوار م ۶۵۰ھ، اور شیخ علی متقی صاحب کنز العمال م ۹۷۵ھ نے اشاعت حدیث کے سلسلہ میں کچھ خصوصی محنتیں فرمائیں لیکن ان کی محنتوں نے عام مقبولیت کا منہ نہ دیکھا اور علماء اپنی ہی روش پر باقی رہے۔

حضرت مجدد و شیخ عبدالحق

اس کے بعد دو اور حضرات سامنے آئے اتفاق سے دونوں معاصر تھے اور

[1] تاریخ الدعوۃ بحوالہ تاریخ فرشتہ ص: ۱۷۔

علوم کے جامع اور علوم اسلامیہ کے اصل سرچشمے قرآن وسنت سے خصوصی تعلق وواقفیت رکھنے والے۔ اگرچہ طریق کار دونوں کا مختلف رہا، مگر منزل مقصود میں اتحاد تھا اوّل حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد السرہندی م۱۰۳۴ھ اور دوسرے شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لمعات، واشعۃ اللمعات م۱۰۵۲ھ۔

حضرت مجدد اوران کی اصلاحی مساعی

اوّل الذکر نے اصلاً اصلاح عقائد واعمال کا بیڑہ اٹھایا تھا اور عوام وخواص ہر ایک پر بالواسطہ و بلاواسطہ محنت فرما کر جن امور کی طرف توجہ دلائی تھی ان سب کا مرجع شریعت اسلامیہ کے انہیں دونوں سرچشموں سے تعلق قائم کرنا اور عقائد واعمال میں اصلاً ان سے استناد تھا۔ اس لیے کہ قرآن وسنت سے صحیح تعلق قائم کرنے کے بعد عقیدہ کا کوئی بگاڑ اور عمل کی کوئی کجی برقرار نہیں رہتی۔

شیخ عبدالحق اور شروح مشکوٰۃ

اور مؤخر الذکر نے بالخصوص فن حدیث کی تحصیل کر کے اس کے درس وتدریس اور تصنیف شروح کے ذریعہ اس کی اشاعت کی کوشش کی تھی اور وہ اس راستے سے عوام وخواص کو قرآن وسنت سے جوڑنا چاہتے تھے چنانچہ شیخ موصوف نے فن حدیث کی مشہور ومتداول کتاب ''مشکوٰۃ'' کی دو شرحیں تصنیف فرمائیں ایک تو بالخصوص عوام کے لیے چنانچہ اس کے لیے فارسی زبان اختیار فرمائی اور دوسری خواص کے لیے عربی میں، اوّل کا نام ''اشعۃ اللمعات'' اور ثانی ''لمعات التنقیح'' ہے۔

اشعۃ اللمعات ولمعات کی تصنیف کا باعث

چنانچہ مقدمہ اشعۃ اللمعات میں خود فرماتے ہیں:

''حرمین شریفین کے علماء کرام سے حدیث شریف کی اجازت حاصل کرنے کے بعد یہاں کی واپسی پر توفیق ایزدی نے اس فن شریف کی خدمت میں لگایا اس اثناء میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حدیث کی متداول کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرح لکھی جائے اور اس میں جو کچھ حضرات متقدمین نے فرمایا ہے یا احقر نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے وہ اور اس کی بناء پر خود اپنے ذہن میں آنے والے احساسات وخیالات کو قلم بند کیا جائے بعض حضرات نے عموم افادہ واستفادہ کی غرض سے مشورہ دیا کہ زبان فارسی رکھی جائے چنانچہ ان کے حسب مشورہ کام شروع کر دیا۔ لیکن درمیان درمیان ایسی باتیں بھی سامنے آتی رہیں کہ فارسی شرح جو اصلاً عوام کے لیے لکھی جارہی تھی اس میں ان کا ذکر مناسب نہ تھا اور نہ ہی ان کا بالکل ترک کر دینا ہی اچھا تھا اس لیے ساتھ ہی ساتھ عربی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا[1]''

لمعات کے مقدمہ میں بھی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے یہی تفصیل مذکور ہے، دونوں شروح کی تصنیف کا سلسلہ ساتھ ہی ساتھ رہا حتی کہ دونوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا حضرت موصوف نے ان شروحات میں صرف شرح حدیث کا ہی کام نہیں کیا بلکہ اپنی تحقیقات کے ذریعہ مقدمہ میں ذکر کردہ اپنی اس تصریح کو

''اس میں کوئی شک نہیں کہ امام موصوف کا مذہب احادیث صحیح اور آثار صریحہ پر مبنی ہے[2]''

واقعہ کے مطابق کر دکھایا۔

حضرت مجدد

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا اصل کارنامہ تو اکبر اور اس کے نورتن کے ایجاد کردہ

---

[1] اشعۃ اللمعات، ج:۱، ص:۲۔

[2] مقدمہ لمعات، ص:۱۸۔

دین" دین الٰہی" کا قلع قمع تھا۔لیکن ایسا نہیں کہ حضرت نے صرف اسی پر توجہ دی بلکہ عوام وخواص ہرایک طبقہ میں پائے جانے والے اہم عیوب سے مطلع کیا چنانچہ علم وعلماء، تصوف اور صوفیاء، حکومت وسلطنت نیز اسکے عہدیدار سلاطین وامراء ودیگر عہدہ داران ہرایک کا ذکر ہرایک سے بحث اور مختلف علاقوں کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے چیدہ چیدہ حضرات سے براہ راست خطاب فرمایا، ہر گمراہی وغلطی پر مطلع کیا بالخصوص شیعیت کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور اپنے اس عظیم کام کے لیے حضرت نے طریقہ بھی عجیب وغریب اختیار فرمایا تھا۔ یعنی خط وکتابت کا۔ چنانچہ حضرت کے مکاتیب صرف مکاتیب نہیں بلکہ علوم شریعت وطریقت کا خزانہ ہیں۔صاحب نزہۃ الخواطر فرماتے ہیں:

> "یہ مکاتیب علوم شریعت میں حضرت موصوف کے تبحر علمی پر دلائل قطعیہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں معرفت کی ایسی باتیں ہیں کہ جن کو اس سلسلہ کے بلند مقامات حاصل نہ ہوں ان کے ذہنوں میں وہ باتیں آہی نہیں سکتیں[1]"

حضرت نے ان مکاتیب میں رسوم وبدعات سے بھی بحث کی ہے اور علم وعلماء کی بے وقعتی سے بھی اور خود علماء کی اصل علوم اسلامیہ کو چھوڑ کر دوسرے علوم وفنون سے دلچسپی وشغف سے بھی تعرض کیا ہے، حضرت کے یہ مکاتیب تین ضخیم جلدوں میں ہیں کل تعداد ان کی ۵۲۶ ہے اصلاً عربی وفارسی میں ہیں، ویسے پورا مجموعہ ہردوزبانوں یعنی عربی وفارسی نیز اردو میں منتقل ہو چکا ہے اور انگریزی میں بھی کل یا بعض منتخبات ہیں۔

علم وعلماء کے متعلق ارشادات

مثلاً ایک موقع پر فرماتے ہیں:

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج:٦،ص:٣٠٣۔

''طلباء کو مقدم کرنے میں ہی شریعت کی ترویج ہے اسلئے کہ وہی حاملان شریعت ہیں اور قیامت میں لوگوں سے شریعت ہی کی بابت سوال ہوگا اور جنت و دوزخ کا داخلہ بھی اسی پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔[۱]''

اور اہل سنت والجماعت میں سے اصحاب تقویٰ علماء سے تعلق ان کی اتباع وغیرہ کا تو جگہ جگہ ذکر ہے، نیز بدعات کی برائی، ان سے اجتناب، ان کے مقابلہ میں سنت پر عمل اور ان کا احیاء اکثر مکاتیب میں مذکور ہے۔

ایک موقع پر تو یہاں تک فرماتے ہیں:

''اگر کسی مسئلہ میں علماء و صوفیاء کا اختلاف ہو تو حق بہر حال علماء کی جانب ہوگا اس لیے کہ حضرات انبیاء کرام کی اتباع کی بدولت حضرات علماء کی نظر نبوت کے کمالات اور علوم تک پہنچتی ہے اور صوفی کی نظر تو بس ولایت کے کمالات تک رہتی ہے۔ اس لیے لامحالہ جو علم مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا جائے زیادہ صحیح ہوگا۔[۲]''

دنیاوی علوم دنیاوی مال و متاع کے درجہ میں

ایک موقع پر فلسفہ وغیرہ غیر دینی علوم کے متعلق فرماتے ہیں:

''جو علوم آخرت کے حق میں بے فائدہ و بے ثمرہ ہیں وہ بھی دنیا سے سمجھو (یعنی اس کی تحصیل دنیا کی تحصیل ہے) اگر علم نجوم، منطق، ہندسہ، حساب اور ان جیسے اور دوسرے بہت سے علوم جو آخرت کے اعتبار سے بے فائدہ و بے ثمرہ ہیں یہ نفع بخش ہوتے تو فلاسفہ اہل نجات ہوتے۔[۳]''

---

[۱] مکتوب، ۴۷۔ ج:۱۔

[۲] مکتوب، ۲۶۱۔ ج:۱۔

[۳] مکتوب، ۲۳۔ ج:۱۔

سماع صوفیاء کا رد

چوں کہ ہندوستان میں عموماً اور دہلی اور اس کے اطراف میں خصوصاً چشتی سلسلہ کے بزرگوں کی زیادتی رہی اور وہ عام طور سے سماع کے قائل رہے حضرت امام نے براہ راست احکام شرعیہ کے اصل مآخذ سے اس کی تردید فرمائی، ایک موقع پر فرماتے ہیں:

> ''رقص وسماع، سب لہو ولعب میں داخل ہے اور آیت:
> ''ومن الناس من یشتری لھو الحدیث''
> گانے سے ہی روکنے کے لیے نازل ہوئی جیسا کہ طبقہ تابعین کے رئیس مفسرین کا بیان ہے اور حضرت ابن مسعود و ابن عباس تو قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ لہو غناء ہی ہے (پھر فقہی نصوص کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں) ان تمام تصریحات کے باوجود اگر کوئی آدمی کوئی منسوخ یا شاذ حدیث پیش کرے جس سے اس کی اباحت ثابت ہوتی ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا مشائخ کا عمل حجت نہیں، فقہاء کے اقوال پر مدار ہے [1]۔''

احادیث کی روشنی میں بعض امور کی تردید

ایک موقع پر حضرت موصوف نے طبقۂ علماء و مشائخ میں رائج بعض بدعات و رسومات کو یہ کہہ کر رد فرمایا ہے کہ سنت کے خلاف ہیں مثلاً میت کو کفن میں عمامہ دینا کیوں کہ یہ حدیث میں مذکور تین کپڑوں سے زائد ہے اسی طرح عمامہ کا شملہ بائیں طرف ڈالنا حالاں کہ یہ مسنون دونوں کندھوں کے درمیان رکھنا ہے، اور سب سے زیادہ سختی سے نماز کی نیتوں کے زبان سے کہنے کی تردید کی ہے کہ کسی بھی

---

[1] مکتوب ۲۶۱، ج ۱۔

صحیح یا ضعیف روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔[۱]

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جس طرح کتاب وسنت کے مطابق اعتقاد ضروری ہے ان دونوں کے مقتضی پر عمل بھی ضروری ہے جیسا کہ حضرات مجتہدین نے ان سے احکام کا استنباط کیا ہو............

لیکن مقلد کو مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب وسنت سے احکام کا استنباط اور ان پر عمل نہیں اختیار کرنا چاہیے بلکہ جس مجتہد کی تقلید کی ہو اس کے مذہب کے مختار قول پر عمل کرنا چاہیے اور بدعت سے بچ کر عزیمت پر عمل پیرا ہونا چاہیے''۔

اعتبار کتاب وسنت سے استنباط کا سلف کی رعایت کے ساتھ

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''سالک کیلئے طریق تصوف کی ضروریات میں سے وہ صحیح اعتقاد بھی ہے جسے اہل السنۃ والجماعت علماء نے کتاب وسنت اور سلف کے آثار سے حاصل کیا ہے۔

کتاب وسنت کو انہیں مفاہیم پر رکھنا جنہیں جمہور اہل حق نے سمجھا ہے یہ بھی ضروری ہے۔

اگر بفرض محال کسی کشف والہام کے ذریعہ کوئی ایسا امر سامنے آئے کہ جمہور کے موافق نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا[۲]''

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''احکام شرعیہ کے اثبات میں معتبر تو قرآن وسنت ہی ہیں''

یعنی اصل یہی ہیں اگر چہ ان کی بنیاد پر:

---

[۱] مکتوب: ۱۸٦، ج:۱۔ [۲] مکتوب: ۲۸٦۔ ج:۱۔

"مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی حکم کو ثابت کرتے ہیں اور ان چاروں کے بعد پھر کسی قسم کی دلیل سے احکام نہیں ثابت ہوتے [1]"

دوسرے ائمہ کیساتھ حسن اعتقاد اور انکے اقوال کی رعایت

ایک موقع پر حضرت امام ابوحنیفہ کی عظمت ورفعت اور ان کی بلندی فکر ومذہب کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس مذہب کے التزام کے بعد بھی مجھے امام شافعی سے ذاتی محبت ہے میں انہیں بہت باعظمت خیال کرتا ہوں اسی لیے بعض نفل چیزوں میں ان کے مذہب کی پیروی بھی کرتا ہوں [2]"

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

جہاں تک ممکن ہو مجتہدین کے اقوال کے درمیان جمع کرنا چاہیے اور کسی بھی عمل کو ایسے انداز پر کرنا چاہیے کہ وہ بالاتفاق جائز ہو مثلاً امام شافعی نے وضو کے اندر نیت کی شرط لگائی ہے تو بے نیت وضو نہ کرے، نیز وضو میں ترتیب (یعنی آیت وضو کے بیان کے مطابق اعمال وضو کی ادائیگی) کو فرض کہتے ہیں تو اس کا خیال کرے، امام مالک اعضاء کو رگڑ رگڑ کر دھلنے کے قائل ہیں تو رگڑ لیا کرے اسی طرح اور مسائل ہیں [3]"

حضرت مجدد کے یہ ارشادات

شاید میں نے موضوع کے خلاف حضرت مجدد کے ارشادات کے نقل کرنے میں طول سے کام لیا ہے لیکن یہ قصداً محض اس امر کے اظہار کے لیے کیا ہے کہ ایسا

---

[1] مکتوب:۵۵۔ ج:۲۔

[2] مکتوب:۵۵۔ ج:۲۔

[3] مکتوب:۲۸۵۔ ج:۱۔

نہیں تھا کہ معاشرہ کا کوئی فرد بھی اس مرض سے محفوظ نہ ہو اور کوئی بھی عالم اس روش پر تنقید نہ کرتا ہو۔ حضرت مجدد انہیں خال خال افراد میں سے ہیں بلکہ سب میں ممتاز کہ عوام سے آگے بڑھ کر خواص، علماء وسلاطین اور امراء پر تنقیدیں کیں اور جان پر کھیل کر خود کو قید وبند کے خطرات میں ڈال کر کام کیا، یوں تو خطرات کا سامنا حضرت امام کو بھی تھا لیکن حضرت امام کے عہد میں پھر بھی حالات ساز گار تھے اور حضرت مجدد کی محنتوں کے ثمرہ میں کہ حضرت موصوف کی ہمت اور اعلاء کلمتہ اللہ کے جذبہ نے ہی ''دین الٰہی'' کو اس کے گھاٹ تک پہنچایا اور ''مغل تخت سلطنت'' پر کچھ ایسا اثر ڈالا کہ اس تخت اور اس حکومت و بادشاہت کو عالمگیر جیسا صاحب علم اور فقہ حنفی کا عظیم الشان عالم، اور بے انتہا رعب ودبدبہ والا بادشاہ ملا، اور ہمارے حضرت امام کی پیدائش بھی اس کے اخیر عہد میں ہے۔ بہر حال حضرت مجدد نے بھی اس موضوع پر کام کیا اور تقلید جامد اور متعصبانہ ذہنیت سے عوام وعلماء بھی کو باہر لانے کی کوشش فرمائی۔

حضرت مجدد اور فن حدیث وفقہ

حضرت مجدد کے جو ارشادات گذشتہ اوراق میں نقل کیے گئے ہیں ان سے فن حدیث سے حضرت کے تعلق اور واقفیت کا پورا اندازہ لگایا جا سکتا ہے نیز اس کا بھی کہ فقہیات کے باب میں حضرت کا ذوق عام اہل عصر کی مانند تقلید محض اور جمود کا نہ تھا بلکہ فقہی مسائل کے حق میں قرآن وحدیث کے ساتھ استناد کو ضروری گردانتے تھے اور جو مسائل ان کے خلاف ہوں ان کا رد و ترک لازم خیال فرماتے تھے یہی نہیں بلکہ حضرت نے تدریس کے اعتبار سے بھی حدیث پر توجہ دی تھی جس کے نتیجے میں حضرت کے سلسلہ کے بعض حضرات نے بعض کتب حدیث کی شروح تصنیف فرمائیں مثلاً حضرت کے فرزند ارجمند خواجہ محمد سعید صاحب نے مشکوٰۃ کی

شرح لکھی اور اس سلسلہ کے ایک فرد شیخ سراج احمد سرہندی نے فارسی میں سنن ترمذی کی شرح لکھی اور امام ترمذی "وفی الباب" کے تحت جن احادیث کا حوالہ دیا کرتے ہیں اس کی تخریج کی۔

حضرت مجدد کے ایک پوتے فرخ شاہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ ان کو ستر ہزار احادیث مع متن و سند اور مع مباحث جرح و تعدیل یاد تھیں[1]۔

ہر دو حضرات کی مساعی اور علماء کرام

حضرت مجدد کی جدوجہد نے "عقائد" کے باب میں تو بڑا فائدہ پہنچایا کہ اکبر کی پیدا کردہ بدعقیدگی سے لوگوں کو نجات ملی اور بھی بہت سے منکرات ختم ہوئے، امراء و سلاطین نے اپنے فرائض کو محسوس کیا، اور شیخ عبدالحق کی محنتوں نے بھی لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچایا۔ لیکن علم و عمل کی لائن سے وہ عام علمی انقلاب جس کے بانی حضرت امام بنے وہ ان حضرات کی تحریک سے پیدا نہ ہو سکا اور بالخصوص علماء کرام ان ہر دو حضرات سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہے چنانچہ مولانا مسعود عالم صاحب فرماتے ہیں:

> "والذی أراه انه ماحرمت من المسلمین دعوة السید ونصائحهما الغالیة مثل ما حرمها علماؤنا".
>
> "میرا تو خیال یہ ہے کہ ان ہر دو حضرات کی دعوت و نصائح سے فائدہ اٹھانے میں جو محرومی حضرات علماء کے حصے میں آئی وہ محرومی مسلمانوں کے کسی طبقے کے حصے میں نہیں آئی[2]"

حضرت امام

ان ہر دو حضرات کے بعد ہر دو کے عملی میدان کو مشترک طور پر سنبھالنے

---

[1] بینات، مولانا بنوری نمبر، ص: ۹۸۰۔ [2] تاریخ الدعوۃ، ص: ۱۳۲۔

والا، اور عوام وخواص ہر ایک کی اصلاح اور ہر ایک کے افراط وتفریط پر بے لاگ تنقید کر کے راہ اعتدال کو نکھارنے والا مصلح جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ انہیں دونوں کی مجہودات کا پروردہ وثمرہ یعنی ہمارے حضرت امام ہیں۔

حضرت امام نے بالخصوص اس پہلو پر تنقید کی جیسے کہ حدیث پر عمل کرنے میں افراط اور حد سے تجاوز پر بھی تنقید کی۔ لیکن چوں کہ تقلید کے باب میں جمود وتعطل کی شکایت عام اور افسوسناک حد تک پہنچی ہوئی تھی اور بالخصوص اس وقت کے ملکی حالات میں روہیلوں اور افغانوں کا عام دور دورہ تھا اور ان کی ذہنیت کا جو حال تھا اسکو تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے ان کے یہ حالات خود اپنے ملک وعلاقے میں بھی تھے اور جب یہاں آئے تو یہاں رونما ہوئے، حضرت امام نے ان حالات کو سنا بھی اور مشاہدہ بھی فرمایا۔ اس لیے اس پہلو کو زیادہ بحث میں لائے عام طلباء وعلماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اے اپنے آپ کو عالم کہنے والے کم عقلو! تم نے اپنے آپ کو یونانی علوم اور صرف، نحو، معانی میں مشغول کر رکھا ہے اور یقین کر بیٹھے ہو کہ بس یہی سارا علم ہے حالاں کہ علم تو بس اللہ کی کتاب کی وہ آیت ہے جو محکم ہو منسوخ نہ ہو اسی کو مع تفسیر اور سبب نزول کے سیکھو اور جن کی بابت کوئی الجھن ہو ان کے معنی ومطلب کو سمجھو، یا پھر علم حضور ﷺ کی سنت ہے جو برابر قائم ودائم ہے۔ پورے طور پر ذہن نشین کرو کہ حضور ﷺ کیا عمل کیسے کیا کرتے تھے، اور پھر تیسرا حصہ علم کا فرائض اعمال ہیں انہیں جانو کہ کس عمل میں کیا کیا امور فرض ہیں۔ باقی تم تو جس میں لگے ہو یہ سب دنیاوی علوم ہیں[1]''

حضرت امام اور فقہاء وقت

اسی تحریر میں بالخصوص حضرات فقہاء کو بھی مخاطب بنایا ہے:

---

[1] تفہیمات، ج:۱، ص:۲۱۴۔ ملخصاً۔

"تم نے بس اپنے پیش رو فقہاء کے استحسانات اور ان کی تفریعات سے ساری دلچسپی قائم کر رکھی ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ فیصلہ تو بس خدا ورسول کا ہی ہے تم میں سے بعض کا تو یہ حال ہے کہ اگر حضور ﷺ کی کوئی حدیث بھی سامنے آتی ہے تو اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں تو فلاں کے مذہب پر عمل کرتا ہوں حدیث پر نہیں[1]۔"

چوں کہ آپ نے اس کو امت کے حق میں سم قاتل اور انتہائی مہلک مرض سمجھا اس لیے حسب موقع اس کے ازالہ کی پوری تدبیر فرمائی اپنے مسلک کی وضاحت فرمائی اور درس وتدریس کے طریق میں بحث وتفصیل کا انداز اختیار فرمایا اور کسی موقع پر تقلید واجتہاد کی تاریخ اور علماء کے نظریات بیان کیے تو کہیں تقلید مذموم کی صورتیں ذکر فرمائیں۔ کہیں حدیث سے صرف نظر کرنے والوں سے خود کو بری بتایا اور دوسروں کو ان سے دور رہنے کی تاکید ووصیت کی، خلاصہ یہ کہ ہر ممکن تدابیر اختیار فرما کر اس کی اہمیت ذہن میں بٹھلائی، اور مقصد یہ تھا کہ اگرچہ سلف پر اعتماد ضروری ہے کہ بغیر اس کے دین صحیح صورت میں ہمارے پاس نہیں آسکتا لیکن اس معنی کر نہیں کہ انکا قول ہی سب کچھ اور اصل الاصول ہے بلکہ بایں معنی کہ ان کے اقوال شریعت کے اصل سرچشموں یعنی کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں لہٰذا ان کی تقلید کتاب وسنت پر عمل کی نیت سے کی جائے اور کہیں ٹکراؤ نظر آئے تو بعد از تحقیق ان کی رائے کو اختیار کیا جائے یا رد کر دیا جائے۔

فقہی اعتبار سے جماعتی تقسیم

حضرت امام ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"اموی حکومت کے خاتمہ تک کوئی شخص اپنے آپ کو حنفی یا شافعی وغیرہ کے القاب ونسبت سے موسوم نہیں کرتا تھا بلکہ اہل علم اپنے اپنے

[1] ایضاً، ج:۱، ص:۱۱۵-۱۱۴۔

اساتذہ ومشائخ اور ائمہ کے اصول وقواعد کے مطابق شرعی دلائل سے احکام کا استنباط کا کرتے تھے۔

اور جب عباسی حکومت کا دور دورہ ہوا تو ہر جماعت نے اپنے لیے ایک الگ نام ولقب تجویز کرلیا، اور ہوتے ہوتے یہ گروہ بندی اس حد کو پہنچی کہ لوگ اپنے مقتدا مذہب کے فقہاء کی نص وقول کی فکر کرتے اور نہ ملنے پر کتاب وسنت سے ماخوذ دلائل کی بنیاد پر بھی کوئی فیصلہ صادر کرنے سے اعراض کرتے تھے اور اس طرح یہ اختلافات جو محض کتاب وسنت سے استدلال کے طریق کے اختلاف، نیز مستدلین کے ذوق کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے ان اختلافات نے مستقل مذہب ومسلک کی حیثیت اختیار کرلی۔

خلافت عباسیہ کے ختم ہونے پر عام مسلمان اِدھر اُدھر کے علاقوں میں بکھر گئے تو ہر ایک نے اسی مذہب کو اپنا لیا جسے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا تھا، اور اسی پر جمارہا، نتیجتاً کتاب وسنت سے استنباط ہوتا رہا جسے ہم تخریج در تخریج اور تفریع بر تفریع کہہ سکتے ہیں (اور دن بدن مذہبی تصلب اور گروہ بندی میں اضافہ ہوتا رہا)[1]"

حضرت کی مساعی کا اثر

حضرت امام کی ان تنقیدی تحریرات، جس کا ایک اچھا خاصہ حصہ پہلے مقالہ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں نیز اپنے مسلک ومذہب سے متعلق تفصیلات کی اشاعت جو کتابوں کی صورت میں اور درس وتدریس کے طریق پر برابر جاری تھی یہ ساری کاوشیں بے سود نہ رہیں۔ اور جس طرح معاشرہ اور حکومت کی اصلاح کی آواز بیکار نہ گئی اسی طرح تقلید واجتہاد کے باب میں آپ کی پکار صدائے بازگشت

---

[1] ملخصاً از ازالۃ الخفاء ص ۱۵۶۔

نہیں ثابت نہیں ہوئی بلکہ اپنے پیچھے ایسا گہرا اثر چھوڑ گئی کہ:

"سابقہ تمام مذہبی گروہ بندیاں ختم ہوگئیں اور مسائل میں استدلال واستنباط کا یکسر ذوق ہی بدل گیا"۔

تعصب و اندھی تقلید کا خاتمہ

اب مسائل کی تحقیق وتحریر میں صرف کتب فقہ وفتاویٰ کی نصوص ہی کا ذکر اور ان پر ہی اعتماد نہ تھا بلکہ ان کے پہلو بہ پہلو بلکہ ان سے پہلے جواب کے اوّلین مرحلہ میں آیات قرآنیہ اور احادیث بھی ذکر کی جاتیں اور یوں مسائل سے متعلق ہر تحقیق وتحریر استنباط واستدلال کے اعتبار سے انتہائی کامل ومکمل ہوتی مولانا مسعود صاحب فرماتے ہیں:

"وكان من تأثير انتشار فكرته وارائه في الفقه أن أخذ يتقشع غبار التعصب للمذاهب الذى كان متغلغلا فى الاوساط العلمية الهندية وبدأت العقول تتخلص من ربقة تقليد الأعمى والجمود على اقوال الفقهاء وكذلك شرع من جاء بعده ومن تلاميذه واصحابه وتلاميذهم واصحابهم يرجعون الى الكتاب والسنة ويأخذون من المذاهب بما يظهرلهم أوفق لهما وأقرب الى الحق والصواب.

وذلك أن الإمام ولى الله ما اكتفى بالتنديد بالتقليد الأعمى والتعصب الموروث بل لمن يأتى من بعده سنة حسنة بالخوض فى المسائل الشرعية والاستدلال بالحجج المستخرجة من الكتاب والسنة وأوضح لهم طريق الاجتهاد فى الفقه و سلك مسلك التحقيق فى كل ما عن له الكلام فيه من ابواب الفقه ومسائل الشريعة"

"تفہیمات کے سلسلہ میں حضرت امام کے افکار و آراء کی اشاعت کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کے علمی حلقوں میں جو فقہی مذاہب رائج تھے اور ہر مذہب کے اتباع پر ناجائز تعصب کے بادل چھائے ہوئے تھے حضرت کی مساعی کی بدولت تعصب کا یہ گرد و باد چھٹنا شروع ہوگیا۔ اور اندھی تقلید نیز فقہاء کے قول پر ہی جمود سے آزادی کی فضا پیدا ہونے لگی۔ چنانچہ آپ کے بعد جن لوگوں نے علم کی اشاعت کی ذمہ داریاں سنبھالیں آپ کے تلامذہ اور اصحاب، پھر ان کے تلامذہ واصحاب سلسلہ در سلسلہ سب کے سب کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے لگے اور فقہاء کے مذاہب سے ان اقوال پر عمل وفتوی کو اختیار کرنے لگے جو قرآن وسنت سے زیادہ سے زیادہ موافق اور حق سے زیادہ سے زیادہ قریب معلوم ہوں۔

اس لیے کہ حضرت امام نے اندھی تقلید اور نسلاً بعد نسل رائج تعصب پر لعنت وملامت ہی نہیں فرمائی تھی بلکہ مسائل شرعیہ میں غور وخوض اور کتاب وسنت کے دلائل سے استدلال، حاصل یہ کہ فقہ یا شریعت کا جو بھی مسئلہ درپیش ہو اس کی تحقیق اور اس کے لیے اجتہاد کا طریقہ بھی بتا و سکھا دیا[۱]"

ہمہ گیر و دیرپا کامیابی

حضرت امام کی تحریک نہ صرف یہ کہ کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس لیے کہ نفس کامیابی تو حضرت مجدد کی تحریک کو بھی حاصل ہوئی حضرت امام کی تحریک ومشن کی خوبی یہ ہے کہ یہ کامیابی ہمہ گیر و دیرپا ثابت ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جن لوگوں کا ادنیٰ تعلق بھی حضرت کے علمی سلسلہ یا خانوادہ یا مستفیدین سے ہوگیا

۱: تاریخ الدعوۃ، ص: ۱۵۶۔

خواہ کسی اعتبار سے یا کسی موقع پر سب پر یہ رنگ چڑھا۔

سید شہید اور ان کے رفقاء

چنانچہ آپ حضرت سید احمد شہید کے متعلق گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں اسی سے ان کے رفقاء کا اندازہ لگائیے۔ ان کی زندگی میں تو یہ طریق تھا ہی بعد میں بھی حنفیت پر گامزن رہتے ہوئے اس طریق تحقیق و اجتہاد کو انہوں نے ترک نہ کیا۔ حضرت شہید کے خواص رفقاء میں ایک بزرگ مولانا سید جعفر علی نقوی بستوی م ۱۲۸۰ھ بھی تھے جنہوں نے اپنے دیار و علاقے میں اصلاح معاشرہ اور اشاعت علم کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ بڑے عالم تھے فتویٰ کا بھی کام کرتے تھے، اصلاً فرنگی محل کے پروردہ لیکن شوق جہاد نے میدان جہاد میں حضرت شہیدؒ اور ان کے رفقاء سے ملایا بہر حال ان کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو کہ اس ذوق تحقیق نے کیسے نازک موقع و مسئلہ پر ان کے قلم سے یہ قیمتی فتویٰ تحریر کرایا، ضلع بستی کے بعض مضافات کے لوگوں نے حضرت موصوف سے سوال کیا کہ ہم ایک قطعۂ اراضی پر مسجد بنانا چاہتے ہیں ہندو عوام مانع ہیں، راجہ کا یہ کہنا ہے کہ اگر پہلے سے مسجد رہی ہو تو بنالو اب کیا حکم ہے حضرت نے فرمایا:

> ”چوں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنایا گیا ہے لہٰذا کسی بھی قطعۂ اراضی کے متعلق یہ کہنا و قسم کھانا کہ یہ مسجد ہے صحیح ہے“ (نحوہ)۔[1]

مولانا لکھنوی

یہی نہیں بلکہ پھر تو ایسی فضا بنی کہ جس نے اس فضا میں ”علم و تحقیق“ کی

[1] مجموعہ فتاویٰ قلمی۔

زندگی گذارنا چاہی اس کے لیے بمنزلہ سانس کے اس کا اختیار کرنا ناگزیر ہوگیا، جس کی ایک اہم مثال حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی م ۱۳۰۴ھ ہیں جو اگرچہ خود متبحر عالم اور حدیث پر نظر رکھنے والے تھے۔ لیکن ہم کیوں نہ حضرت امام کی تحریک کا اثر ان کی تحریرات وتحقیقات میں مانیں کہ ان کے والد درسگاہ امام کے دو فیض یافتگان کے شاگرد تھے، اور پھر والد و فرزند ہر دو نے درسگاہ امام کے آخری علمی چراغ شاہ عبدالغنی صاحب سے اجازت حاصل کی تھی[۱]۔

موجودہ ادارے وعلماء

اور حضرت امام کی تحریک کے دیرپا اثرات کو اس طرح سمجھئے کہ آج حضرت امام کی وفات کو تقریباً ڈھائی سو سال ہو چکے ہیں، لیکن ان کے سلسلے کے شاگردوں وعلماء میں اور ان کے قائم کردہ اداروں میں حضرت امام کے مسلک تحقیق واجتہاد کی روح پورے طور پر کارفرما ہے۔ جب جی چاہے حضرت امام کے سلسلہ کے علماء کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیے یا فتویٰ ان سے طلب کیجئے حسب موقع آپ کو انتہائی محقق اور جامع جواب ملے گا، انشاء اللہ۔

کامیابی کی ایک خاص وجہ

حضرت امام کی تحریک کے ہمہ گیر اور اس کے اثرات کے دیرپا ہونے کی وجوہات مشیت ایزدی کی طرف سے جو کچھ بھی ہوں ایک بڑی وجہ حضرت کی تحریک کا برابر جاری رہنا اور سلسلہ افادہ واستفادہ اور بالخصوص علمی سلسلہ کا باقی رہنا ہے، چنانچہ حضرت امام کی حیات میں ہی ملک کے مختلف علاقوں میں ان کے افکار ونظریات کی اشاعت کرنے والے تعلیمی ادارے قائم ہوگئے تھے۔ اور

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کا مقالہ "علماء فرنگی محل کی فقہی خدمات"

حضرت کے بعد حضرت کے مسند ہی سے چار صاجبزادگان والاشان اور پھر شاہ محمد اسحاق صاحب پھر شاہ عبدالغنی صاحب اور پھر ان تمام سے مستفید ہونے والے علماء نے حضرت امام کی تحریک کو برابر وسعت دی اور اسکے اثرات کو فروغ دیتے رہے اور حضرت شہید کی تحریک جہاد نے اس میں اور رنگ بھر دیا خود انہوں نے اور ان کی شہادت کے بعد ان سے تعلق رکھنے والے علماء نے کچھ زیادہ ہی اشاعت کا کام کیا بلکہ حق یہ ہے کہ حضرات شہیدین کی قربانیوں نے اسکی پائنداری وقوت میں اضافہ کر دیا کہ دوسرے خاندانوں کے لوگ مستقبل میں اس تحریک کی علمبرداری اور باگ ڈور سنبھالنے کو تیار ہو گئے ورنہ اضمحلال وضعف کے آثار تو پیدا ہو ہی چکے تھے۔ اور بالخصوص ۱۸۵۷ء کے فتنے نے کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی تھی۔ حضرت امام سے پیشتر کے ہر دو حضرات کی تحریک ان کی تمام تر عظمتوں اور انتھک کوششوں کے باوجود اس میدان میں زیادہ کام نہ کر سکی۔ شیخ عبدالحق کے تو سلسلہ تلمذ کو وہ وسعت نصیب نہ ہو سکی جو حضرت امام کے سلسلہ تلمذ کو ملی اور حضرت مجدد کے کارنامے اگر چہ بہت عظیم ہیں اور انکا سلسلہ اگر چہ آج بھی برقرار ہے اور اتنا وسیع کہ بیرون ملک دور دراز کے ملکوں تک وسیع ہے لیکن حضرت مجدد کے بعد بتدریج انتہائی تیزی کیساتھ اسکا دائرہ کار محدود ہوتا گیا حتیٰ کہ اب صدیوں سے محض سلسلہ ارشاد وبیعت کی صورت میں رہ گیا ہے "تعلیمی صورت" نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔

حضرت امام کا مکتبِ فکر اور حوادث وفتن

بڑی سے بڑی تحریک "امتدادِ زمانہ" کی بدولت نیست ونابود ہو جاتی ہے اور حوادث وفتن کی بدولت اس کا خاتمہ بھی کوئی عجیب چیز نہیں لیکن حضرت امام کا اخلاص اور ان کی تحریک کو پورے طور پر سمجھ کر اسے آگے بڑھانے والے صحیح جانشینوں کی بدولت اس درسگاہ اور سلسلۂ تلمذ نے بڑے بڑے فتنے کو جھیل کر آج

اپنی عمر کے تقریباً ڈھائی سو سال پورے کر لیے ہیں۔ ابتداءً حضرت امام کے خلف اکبر کو طرح طرح کے فتنوں کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ دہلی سے ترک وطن کرنا پڑا۔ حضرت اسماعیل شہیدؒ کے خلاف مبتدعین نے پروپیگنڈہ کیا اور سب سے بڑا فتنہ تو ۱۸۵۷ء کا تھا جس نے ملک کی باگ ڈور ہی مسلمانوں کے ہاتھوں سے لے کر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچادی جن کا نصب العین ہی اسلام و مسلمانوں کی بیخ کنی رہی ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ اس کی وجہ سے یہ چراغ گل ہوتا اس کی لو اور تیز ہوگئی اور پھر اس کے بعد پچاس سالی کے قلیل عرصے میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دیگر بہت سے ادارے قائم ہوتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی یکے بعد دیگرے بہت سے فتنے پیدا ہوتے رہے بالخصوص مختلف گمراہ فرقے اور اہل ابتداع جن میں بعض آج بھی اس چراغ کو بجھانے کی انتھک کوشش میں ہیں لیکن ؂

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

ہر زمانے میں چراغ سے چراغ جلتا رہا ہے اور اب تو انشاء اللہ اس چراغ کے بجھنے کی کوئی امید نہیں رہی ہے ملک کے طول و عرض میں اس سلسلہ و مکتب خیال کے ہزار ہا علماء اور مکاتب و مدارس ہیں، اور ہر سال پورے ملک کے دسیوں اداروں سے سینکڑوں کی تعداد میں اسی مسلک کے حامل و حامی علماء تیار ہو رہے ہیں جو گئے گذرے حال میں بھی کچھ نہ کچھ زندگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

قرآن کریم سے شغف و دلچسپی

حضرت امام نے قرآن کریم سے بے توجہی کے مدنظر عوام و خواص بھی کے لیے اس سے دلچسپی کے اسباب فراہم کیے۔ علماء کو اپنے مخصوص نصاب اور انداز

تدریس کے ذریعہ اس سے جوڑا چنانچہ درس میں پورا ترجمہ کلام پاک مع مختصر تفسیر اور بیضاوی، جلالین، مدارک، ابن کثیر وغیرہ کو شامل کیا گیا، اور انکے درس میں آیات قرآنیہ کی توضیح وتفسیر نیز مختصراً مسائل فقہیہ کے ذکر اور ان پر بحث کو بھی شامل کیا گیا اور عوام کا یوں ربط پیدا کیا کہ فارسی زبان میں سب سے پہلا عظیم الشان ترجمہ فرمایا، جس کو بنیاد بنا کر حضرت کے دو صاحبزادگان شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب نے اردو میں انتہائی سلیس اور الفاظ قرآن کریم سے انتہائی قریب ترجمہ فرمایا اور خلف اکبر شاہ عبدالعزیز صاحب نے فارسی میں تفسیر بنام فتح العزیز تصنیف فرمائی جو حضرت موصوف کا نہایت عظیم کارنامہ ہے حتی کہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کا مقولہ معروف ہے کہ حضرت موصوف کی اس تفسیر نے امت کے ذمہ عائد حق تفسیر کا قرض ادا کر دیا۔ اگرچہ اس کا اکثر حصہ فتنوں کی نذر ہو گیا اور اب ابتدائی وانتہائی حصہ ہی دستیاب ہے۔ اور جب ان حضرات کے سلسلہ علمی میں توسع ہوا تو اس صدی میں جہاں حدیث پاک پر کافی کام ہوا اردو میں قرآن پاک کے متعدد ترجمے اور تفسیریں تصنیف وشائع کی گئیں ان میں سے بالخصوص ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ مع حاشیہ علامہ شبیر احمد عثمانی، بیان القرآن ترجمہ وتفسیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ترجمہ مولانا فتح محمد لکھنوی، جواہر القرآن تفسیر مولانا محمد حسین صاحب (پاکستان) تفسیر ماجدی اردو وانگریزی جس میں بالخصوص یہود وعیسائیوں سے متعلق آیات کی تفسیر میں براہ راست توریت وانجیل کے اقتباسات نیز جابجا مغربی مفکرین ومحققین کے اقوال بھی مذکور ہیں۔ جن میں قرآنی حقائق کا اعتراف بھی ہے اور کہیں اس کے مقابلے میں عناد وانحراف بھی۔ یہ مشہور ومفید تراجم وتفسیر ہیں اور بالخصوص اس سلسلہ کی آخری کڑی ''معارف القرآن'' از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اس معنی کر بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ متن کے ساتھ

ترجمہ شیخ الہند اور بطور خلاصہ تفسیر بیان القرآن اور پھر حضرت مصنف کی تفسیر ہے جس کا اسلوب بھی دلکش ہے اور معلومات بھی عصری ذہن و ذوق کی طلب کے مطابق اور تشنگی کو دور کرنے والی ہیں [۱]۔

اور اس کے ساتھ ایک سلسلہ یہ بھی چلا کہ مساجد میں یومیہ یا ہفتہ وار کلام پاک کا ترجمہ سننے وسنانے کی بنیاد پڑی اور یہ سلسلہ بالخصوص دہلی میں آج تک قائم ہے دوسرے بعض بڑے شہروں میں بھی تھوڑا بہت انتظام و توجہ ہے، حلقہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں علامہ انور شاہ صاحب کے قلم سے "مشکلات القرآن" کے نازک عنوان پر ایک تحقیق سامنے آئی، اس کے علاوہ اور بھی کام ہوئے بعض حضرات نے قرآن کے قصص پر بعض نے محض لغات پر کام کیا علامہ شبیر احمد عثمانی کے قلم فیض رقم نے "اعجاز القرآن" کے موضوع پر کار فرمائی کی، بعض حضرات نے بعض درسیات کے حواشی اور شرح کے سلسلہ میں سعی کی، بہرحال قرآن کریم سے متعلق کافی خدمات مختلف انداز و اسلوب و پیرایہ میں وجود میں آئیں، اس سلسلے کی بڑی مقدار کا ذکر "ماہنامہ نظام" کے "قرآن نمبر" اور "الرشید کے دارالعلوم دیوبند نمبر" کے ایک مضمون میں ہے۔

حدیث پر توجہ

اور حضرت امام کی قابل قدر مجہودات کی بنا پر حدیث کے پڑھنے پڑھانے کی جانب اتنی توجہ ہوئی کہ آج پورے ہندوستان میں "عالمیت وفضیلت" کی سند کے حصول کے لیے مکمل صحاح ستہ یا اس کے اکثر حصوں کا پڑھنا ضروری ہے، نہ صرف یہ بلکہ مؤطا امام محمد، ومؤطا امام مالک، اور طحاوی کا بھی پڑھنا پڑھانا رائج

---

[۱] اس موقع پر صرف علماء دیوبند وحلقہ دیوبند کی تفاسیر کے ذکر کا اہتمام کیا گیا ہے دوسری کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ ان کی افادیت کے باوجود اہل حق اور خانوادہ ولی اللہی کے اصول وقواعد کی رو سے ان پر بڑے اختلافات واعتراضات ہیں۔

ہے، اور صرف متون کتب کا پڑھنا پڑھانا ہی نہیں ہوتا بلکہ روایات کے ضمن میں فقہی جزئیات کی پوری تحقیق ہوتی ہے، اقوال و دلائل بیان ہوتے ہیں، اسماء رجال کا تذکرہ ہوتا ہے اور پھر ان تحقیقات و تفصیلات کی روشنی میں اپنے مسلک کی تنقیح ہوتی ہے اور اس درجہ اس پر توجہ ہوئی کہ محض اسی انداز و طریق کو موضوع بنا کر بعض کتابیں تصنیف کی گئیں۔

شروح حدیث

چنانچہ قیام دارالعلوم دیوبند کے بعد سو سال کے عرصہ میں علماء ہند کے قلم سے حدیث کی جو عظیم الشان شروح منظر عام پر آئی ہیں حق یہ ہے کہ وہ اپنی تعداد کے اعتبار سے بھی۔ ایک عظیم کارنامہ ہیں اور ذخیرہ معلومات و فنی تحقیقات کے اعتبار سے بھی اور بالخصوص فقہی مسائل کی تحقیق میں حضرت امام کے مسلک تحقیق و اجتہاد کا مظہر اتم اور نمونہ کامل ہیں، بخاری شریف، کی دو عربی شرحیں فیض الباری اور لامع الدراری اور اردو میں انوار الباری، ایضاح البخاری وغیرہ مسلم کی مایہ ناز شرح فتح الملہم، ترمذی کی متعدد شرحیں تحفۃ الاحوذی، العرف الشذی، معارف السنن، الکوکب الدری، الورد الشذی، ابوداؤد کی بذل المجہود اور عون المعبود اور شرح قال ابوداؤد، نیز حواشی انوار المحمود، اور التعلیق المحمود، نیز مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک، معانی الآثار طحاوی کی شرح امانی الاحبار، مشکوٰۃ کی التعلیق الصبیح اور مرعاۃ المفاتیح وغیرہ نیز علامہ ظہیر حسن صاحب نیموی کی "آثار السنن" جو کتاب الطہارۃ و کتاب الصلوٰۃ سے آگے نہ بڑھ سکی لیکن تحقیق و تصنیف میں اس نے اپنا ڈنکا بجا دیا نیز اسی طرح احیاء السنن اور جامع الآثار جو حضرت تھانوی کے حسب حکم تصنیف کی گئیں نیز حدیث سے متعلق بعض اہم موضوعات میں قیمتی تصانیف اور نصاب میں شامل کتب کے حواشی، جن میں بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ کے

حواشی ہیں۔ حواشی کے سلسلہ کی ایک اہم کوشش نصب الرایہ کا حاشیہ ہے۔ اور مستقل تصانیف میں النبراس الساری فی اطراف البخاری ہے جس میں روایات بخاری کے محل وقوع کو بیان کیا گیا ہے کہ نسخہ متداولہ میں کن کن صفحات پر ہے۔

اعلاء السنن اور احکام القرآن

اور میں ان حضرات کے دو اور عظیم کارناموں کا تعارف کراؤں جن کا سہرا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سر ہے وہ دونوں کارنامے "اعلاء السنن اور احکام القرآن" کی تصنیف ہے۔ اوّل اکیس جلدوں میں مولانا ظفر احمد تھانوی عثمانیؒ کی تصنیف ہے جس میں فقہ حنفی کے تمام جزئیات کو مؤید روایات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور دوم پانچ حضرات کی مشترکہ تالیف سات جلدوں میں ہے جس میں احناف کے جزئیات آیات قرآنیہ کے ضمن میں مذکور ہیں یہ پانچ حضرات مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا ادریس صاحب کاندھلوی اور مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی تھے، اور بالخصوص حدیث سے متعلق ان عظیم الشان خدمات، اہم اداروں اور شخصیات کا تعلق ملک کے اس علاقے سے رہا ہے جسے شمالی ہند کہا جاتا ہے اور جو اپنی ملکی اہمیت اور مرکزی حیثیت کے باوجود بقول مولانا مسعود صاحب ایک زمانہ تک اس مبارک سلسلہ کے رواج اور اس سے فائدہ اٹھانے سے محرومی میں پیش پیش تھا، لیکن اللہ نے پھر اسی کو قبول فرما کر وہ تاج اسی کے سر پر رکھا کہ انشاء اللہ اس کے اداروں کی برکت سے کبھی نہ اترے گا۔

ممتاز عرب محققین کے قابل قدر اعترافات

فن حدیث پر ان حضرات کی توجہ اور اس کی شرح و تحقیق میں عظیم کارناموں

کی انجام دہی نے عرب محققین سے بھی اپنا لوہا منوایا۔ چنانچہ علامہ رشید رضا مصری، "مفتاح کنوز السنۃ" کے مقدمہ میں بایں الفاظ اعتراف فرماتے ہیں:

"اگر ہندوستانی علماء اس زمانے میں علوم حدیث کی طرف توجہ نہ کرتے تو یہ فن مشرقی دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ کیوں کہ مصر وشام وعراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے ہی علم حدیث زوال پذیر ہو گیا تھا[۱]"

ان کا یہ فرمانا یوں ہی نہیں ہے بلکہ یہ اس تاثر وتعارف کا نتیجہ ہے جو بسلسلۂ صدارت اجلاس ندوہ میں ہندوستان کی آمد اور دار العلوم دیوبند میں حاضری اور بالخصوص علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے ملاقات اور ان کی برجستہ تقریر (جس میں حدیث کی رو سے فقہ حنفی کے بعض اہم مسائل کی مختصر مگر جامع تحقیق پیش فرمائی گئی تھی) کے بعد یہاں سے لے کر گئے تھے۔ دوسرے ترکی کے ممتاز حنفی عالم ومحقق علامہ زاہد الکوثری ہیں، جنہوں نے بڑے باوقعت الفاظ میں ان حضرات کی حدیثی خدمات کا تعارف کرایا ہے۔

آخری بات

یہ کہ حضرت امام دہلویؒ کی گرانقدر کوششیں بار آور ہو کر رہیں اور انہوں نے علماء میں ایک نیا ذوق ولگن اور درس وتدریس کا ایک نیا نہج وطریقہ عطا کیا اور ان کا لگایا ہوا درخت اتنا پھلا وپھولا کہ ملک کے ہر گوشے اور علمی خانوادے تک اس کی شاخیں پہنچیں اور اس کے پھل وپھول سے لوگ مستفید ہوئے مفتی عنایت احمد کاکوروی مشہور عالم ومصنف سے نقل کیا گیا ہے:

"ان الشیخ ولی اللہ مثلہ کمثل شجرۃ طوبی أصلها فی بیتہ وفرعها فی کل بیت من بیوت المسلمین فما من بیت ولا مکان من بیوت المسلمین وامکنهم الا وفیہ فرع من

۱۔ مفتاح کنوز السنۃ، مقدمہ۔

تلک الشجرۃ لایعرف غالب الناس این اصلھا"۔

"حضرت امام کا معاملہ ایک ایسے عمدہ درخت کا سا ہے کہ جس کی جڑیں تو خود حضرت امام کے گھر میں ہیں اور اس کی شاخیں ہر ہر مسلمان کے گھر میں، مسلمانوں کا کوئی گھر اور کوئی مقام ایسا نہیں ہے کہ جس میں اس درخت کی کوئی شاخ نہ ہو اگرچہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اس کی جڑ کہاں ہے۔" [۱]

مولانا قاسم صاحب نانوتوی نے بھی عدن کے آس پاس کسی جزیرے پر مقیم ایک بزرگ سے یہی بات نقل فرمائی ہے۔ [۲]

نواب صدیق حسن خاں صاحب اتحاف النبلاء میں فرماتے ہیں:

"دیار ہند میں علم و عمل کی ریاست شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں پر ختم ہے علماء ہند کیا بلکہ بہت سے دوسرے علاقوں کے کم ہی علماء ایسے ہوں گے جن کو اس خاندان سے نسبت تلمذ یا کم از کم استفادہ باطنی کا شرف نہ حاصل ہو۔" [۳]

بالخصوص اس ملک میں حدیث کے درس و تدریس کا کوئی سلسلہ ایسا نہیں ہے جس میں اس خانوادے کا واسطہ نہ ہو چنانچہ مصنف الامام الدہلوی، مولانا اجتباء صاحب فرماتے ہیں:

"بدایوں کے ایک صاحب نے کوشش کی کہ حدیث کی کوئی ایسی سند حاصل کر سکیں جس میں حضرت امام کے خلف اکبر شاہ عبدالعزیز صاحب کا واسطہ نہ ہو تو انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔" [۴]

نواب صاحب فرماتے ہیں:

"علم حدیث کی جو خدمت اس خانوادہ کے ذریعہ وجود میں آئی پورے عالم

۱۔ نزہۃ، ج:۶، ص:۴۰۳۔
۲۔ ارواح ثلاثہ، ص:۱۵۱۔
۳۔ اتحاف النبلاء، ص:۲۹۶۔
۴۔ الامام الدہلوی، ص:۱۱۳۔

کے کسی دوسرے خانوادے کی بابت اسکا علم نہیں۔ شاہ عبدالعزیز کے والد بزرگوار نے ہی ہندوستان میں حدیث پر عمل کا بیج بویا اور ان حضرات صاحبزادگان نے اسکے لگائے ہوئے پودے کو برگ و بار بخشا۔

خلاصہ ہرسہ مقالہ

یہ کہ حضرت امام کی ہر علم وفن کے مسائل پر محققانہ نظر تھی اور بالخصوص فقہی مسائل ودلائل کی تنقید وتنقیح پر ان کو پورا عبور تھا، لیکن بایں ہمہ حضرات ائمہ اربعہ کے اور بالخصوص امام ابوحنیفہؒ کے پوری تحقیق کے ساتھ مقلد تھے۔ اور اپنے افکار وتحقیقات کا ایک گہرا وپائدار اثر احناف کے حق میں چھوڑ گئے جو آج بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

۱؎ اتحاف ص: ۲۹۷۔

آئیے محاسبہ کریں

☆ کیا ہمارے عقائد توحید خالص کی اساس پر قائم ہیں؟
☆ کہیں ہماری عبادات نبی کی اتباع کے بجائے رواجی تو نہیں؟
☆ کیا معاملات میں ہمارا کردار نبی کی طرح صاف وشفاف ہے؟
☆ کیا اخلاق ومعاشرت میں ہم اتباع رسول کا مظاہرہ کرتے ہیں؟
☆ کیا ہماری شباہت ہمارے لباس' ہمارے طور طریقے اور ہمارے ذوق پسند سے نبی کی محبت اور اتباع کا اظہار ہوتا ہے؟
☆ کیا ہمارا وجود اہل خانہ' اعزاء' پڑوسیوں' اہل بستی اور ہم وطنوں بلکہ عالم کیلئے رحمت ہے؟
☆ کیا ہمارے دل میں بھی نبی کی طرح شہادت کا شوق ہے؟ یا موت سے کراہیت ہے؟
☆ کیا ہمیں اپنے نبی کی طرح ایک رات بھی دوزخ کی راہ پر جاری انسانیت کیلئے رونا نصیب ہوا؟
☆ کیا ہمارے اندر نبی کی طرح راہ دعوت میں طائف میں پتھر کھا کر دعائیں دینے کا حوصلہ ہے؟
☆ کیا ہم راہ دعوت میں شعب ابی طالب کی طرح سالوں نہ سہی چند روز ہی قید رہنے کا تصور کر سکتے ہیں؟
☆ کیا نبی کی طرح راہ دعوت میں اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر

ہجرت کے لئے ہم تیار ہیں؟

☆ کیا ہم نبی کی طرح ایک ایک انسان کے پاس ستر ستر بار دھتکارے جانے کے باوجود دعوت کیلئے جانے کا حوصلہ کر سکتے ہیں؟

☆ کیا ہماری زندگی میں دعوت اور جہاد کو وہ مقام حاصل ہے جو نبی اکرم ﷺ اور ان کے جاں نثار صحابہ کی زندگی میں تھا؟

اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر کس منہ سے ہم نبی کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، آیئے توبہ کریں، اور عزم کریں کہ: یوم آخرت کی وعید یوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا "جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو، کہے گا اے کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا؟

سے بچنے کیلئے قل ہذہ سبیلی ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی

"آپ کہہ دیجئے، یہ میرا راستہ ہے، میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف، کھلے دلائل کے ساتھ، میں اور وہ جو میری اتباع کرے"

کا اتباع کریں گے اور راہِ دعوت میں تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل (پانچ حصے)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعۂ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
خواتین اور دین کی خدمت
کاروان ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبد القادر رائے پوریؒ

نبی رحمتؐ مکمل (دو حصے)
حدیث کا بنیادی کردار
معرکۂ ایمان و مادیت
پرانے چراغ (تین حصے)
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروانِ مدینہ
قادیانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحبتے با اہل دل
کاروانِ زندگی (سات حصے)
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات عبد الحیؒ
دو متضاد تصویریں
تحفۂ پاکستان
پاجا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

ناشر، فضلِ ربّی ندوی — فون 6600896 - 6601817
مجلس نشریاتِ اسلام ناظم آباد مینشن ۔ ۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد ۱، کراچی
اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی
فون ۔ 2638917
IDARA-E-TABAAT 6609167